

فقہ حنفی، وفیاتِ عالمگیری پر اعتراضات کا

393



عالمگیری

حصہ اول

انر :-

عاشق مدنی شیخ الحدیث التفسیر فقہ العصر حضرت علامہ

والبیان الحافظ محمد احسان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدارس جامعہ رضویہ منظرہ اسلام فیصل آباد

ناشر :-

عاشق مدنی شیخ الحدیث التفسیر فقہ العصر حضرت علامہ

۷۸۶

۹۲

52937

نام _____ فقہ حنفی و فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کا علمی محاسبہ (حصہ اول)

مصنف _____ عاشق مدینہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا ابوالبیان

حافظ محمد احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ

اشر _____ عاشق مدینہ اکیڈمی فیصل آباد

قیمت _____ : ۱۲/-

مقادیر _____ ایک ہزار

تاریخ اشاعت ۲۳ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ ۲۳ _____ نومبر

عرضِ ناشر

محترم قارئین کرام

السلام علیکم !

عاشقِ مدینہ، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا حافظ
محمد احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ کا وصال یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے۔ چونکہ
نماز جنازہ کے موقع پر مناظر اسلام علامہ سعید احمد اسعد کی طرف
سے اعلان کیا گیا تھا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب "فتاویٰ عالمگیری،
پر اعتراضات کے جوابات پر مشتمل آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف چہلم کی تقریباً
پہلے شائع کی جائے گی۔ وقت بہت کم تھا اور کتاب کی کتابت و طباعت
بھی کروانا تھی۔ چونکہ وعدہ کیا جا چکا تھا۔ لہذا پوری کوشش کے
بعد کتاب کا فقط پہلا حصہ حاضر خدمت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ
بہت جلد دوسرا حصہ بھی پیش کر دیا جائے گا۔

ناظم شعبہ نشر و اشاعت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
تَحْمِداً وَتُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهِ
وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنِ ؕ اَمَّا بَعْدُ -

روزنامہ امروز لاہور میں بتاریخ سہر جنوری ۱۹۶۹ء پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا ایک
مضمون ”کیا فتاویٰ عالمگیری قابل عمل ضابطہ ہے“ کا ترجمہ شائع ہوا۔ پروفیسر صاحب نے
درج ذیل حقائق کو تسلیم فرمایا ہے:

- شہنشاہ عالمگیری نامی مذہبی محقق تھے۔
- انہوں نے بنفس نفیس حنفی فقہ کی تمام معیاری کتب کا مطالعہ کیا۔
- اس فتاویٰ کو تمام مملکت کے اندر رائج کر دیا گیا۔
- فتاویٰ عالمگیری شہنشاہ کی نگرانی میں ترتیب دیا گیا
- فتاویٰ کو پانچ سو مسلم فقہانے ترتیب دیا۔

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا لِّفِقْهَهُ
فِي الدِّیْنِ یعنی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے علوم دینیہ میں ”فقیہ“ بنایا
ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲) نیز فرمایا۔ فِقِیْهٌ وَاَحَدٌ اَشَدُّ عَلٰی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ یعنی
ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہوتا ہے (مشکوٰۃ ص ۳۲)

صاحب کی تسلیم کردہ حقیقتوں کو مندرجہ بالا حدیثوں کے ساتھ ملانے سے
پروفیسر پتہ چلتا ہے کہ جو کام ”فتاویٰ عالمگیری“ کو مرتب کرنے والے فقہانے کیا
وہ کام پانچ لاکھ عابدین (غیر فقہا) بھی نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب کے سب پروفیسر ہوں۔ اس

لیے عقل مندی یہی ہے اور پاکستانی مسلمانوں کی سچی خیر خواہی اس میں مضمر ہے کہ یہاں "فتاویٰ عالمگیری" کو قابل عمل ضابطہ عمل قرار دے کر فی الفور نافذ کر دیا جائے۔ کیونکہ عالمگیری جیسا نیک اور محقق شہنشاہ آج نہیں ملتا۔ اور اُس وقت کے پانچ سو فقہاء آج ناپید ہیں۔ انہیں نمازہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرب حاصل ہونے کی وجہ سے ہم پر بدرجہا برتری حاصل تھی۔ وہ ان کدورتوں اور ظلمتوں سے بھی پاک تھے جو انگریز کی ڈیڑھ سو سالہ غلامی کے ناپاک دور کی نحوستوں کی بدولت آج کل کے بعض مدعیان علم و فضل میں پائی جاتی ہیں نیز وہ علماء اہل سنت کے، علماء دیوبند کے اور علماء اہل حدیث کے آباؤ اجداد تھے "اہل حدیث" بھی معترف ہیں کہ "ان کے میاں نذیر حسین صاحب کے بعض اجداد اس وقت عہدہ قضا پر فائز تھے (الحیات بعد الممات ص ۱۲۱)"

بتابریں حنفی علماء کی طرح اہل حدیث حضرات کو بھی "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ بلکہ اس کے نفاذ کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

جس طرح شاہ خالد کے مشیر ڈاکٹر معروف احمد صاحب دوایلیبی نے تسلیم

دوایلیبی: کیا ہے۔ موصوف نے ریڈیو پاکستان سے ایک انٹرویو میں کہا کہ "پاکستان

میں اسلامی نظام کو نافذ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کیونکہ اس ملک میں اسلامی

شریعت صدیوں تک نافذ رہی ہے۔ صرف انگریزوں کے دور میں برطانیہ نے یہاں سے اسلامی

قوانین ختم کر کے اپنے قوانین نافذ کر دیئے تھے۔" (روزنامہ مشرق لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء)

جن قوانین کو انگریز نے ختم کیا تھا ان ہی کے مجموعہ کا نام "فتاویٰ عالمگیری" ہے اور ان

ہی کو ڈاکٹر صاحب نے اسلامی نظام اور اسلامی شریعت قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کچھ ذی علم

معلوم ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے درست کہا ہے اور پروفیسر صاحب دینی علوم میں کافی

کمزور نظر آتے ہیں اس لیے انہوں نے "فتاویٰ عالمگیری" پر اعتراض کیے اور جا بجا ٹھوکریں

کھائیں۔ ذیل میں پروفیسر صاحب کے اعتراضات اور ان کے جوابات عرض کیے جاتے ہیں۔

بعض حنفی فقہانے اسلامی ریاست کے سربراہ اعلیٰ کو زنا چوری شراب نوشی یا کسی
اعراض علیہ پر زنا کا جھوٹا الزام لگانے کی حدود سے مستثنیٰ قرار دیا ہے (مختصاً)

پروفیسر صاحب نے حنفی فقہ کی عبارات سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ فقہا کرام ایسے

جواب: بدکردار کو اولاً سربراہ مملکت بننے نہیں دیتے۔ اگر بدقسمتی سے تجرباً سربراہ مملکت

بن جاتے تو اس کے معزول کرنے کے مناسب اقدامات فرماتے ہیں کیونکہ جب تک وہ ریاست کا

سربراہ اعلیٰ ہے تب تک اس کے اوپر "قوة نافذة" قائم نہیں ہو سکتی اور حدودِ خداوندی کا نفاذ

"قوة نافذہ" کے بغیر ممکن نہیں۔ پہلے اناظرہ فتنہ کے بغیر اس بدکردار سربراہ کو معزول کیا جائے

گا پھر مقدمہ چلایا جائے گا پھر حدود نافذ کی جائیں گی۔ اگر پروفیسر صاحب چودہ سو سالہ اسلامی

تاریخ کا بغور مطالعہ کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ بارہا سربراہان مملکت نے ایسے جرموں کا ارتکاب

کیا مگر ان پر بزمانہ ان کی سربراہی کے حد جاری نہ کی گئی۔ پتہ چلا کہ یہ مسئلہ صرف بعض حنفی

فقہاء کا نہیں بلکہ سب کا متفقہ ہے۔ ہدایہ ص ۵۲ میں اس مسئلہ کی دلیل یہ لکھی ہے۔ لَانِ

اَلْحُدُودُ دَرَسَتْ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَ اِقَامَتُهَا اِلَيْهِ... بِمَخْلَافِ حَقُوْقِ الْعِبَادَةِ عِنْدَ مَا يَكْفُرُ اللّٰهُ تَعَالٰی كَا حَقِّ هُوَ اَوْ اَس

کا قائم کرنا صرف سربراہ اعلیٰ کے ذمہ ہے اور وہ خود اپنی ذات پر اسے قائم نہیں کر سکتا (لہذا

اس سے بجائے دنیا کے آخرت میں مواخذہ ہوگا) البتہ اس سے حقوق العباد طلب کیے جا سکتے

ہیں جبکہ صاحب حق معاف نہ کرے (مشئلہ فی تبیین الحقائق ص ۱۸۷ جلد ۳)

اعراض علیہ: ہم چور کی سزا کو لیتے ہیں اسلام مسلمانوں پر زور دیتا ہے کہ وہ اپنی جائز

اور ایماندار کی کمائی پر قانع رہیں اور کسی دوسرے کی جائیداد کو ہتھیانا

اشتبہ جرم سمجھا جاتا ہے کہ اس کی سزا تھکات دینا ہے۔ لیکن فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری) میں

چوری کے اثبات کے لیے اس قسم کی شرائط عائد کر دی گئی ہیں کہ حد کی سزا اگر کبھی ہو تو بمشکل ہی

نافذ کی جا سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ چور خود ہی اپنے جرم کا اقرار کرے۔

جواب: پروفیسر صاحب نے نہ اسلام کو سمجھا ہے نہ "فتاویٰ عالمگیری" کو۔ اسلام میں یہ کہاں

لکھا ہے کہ کسی کی جائیداد ہتھیانے کی تمام صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ بلکہ بعض صورتوں میں ہاتھ کاٹنے کی بجائے دوسری سزائیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ دیکھئے سود حرام قطعی ہے لیکن اس کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں بلکہ لعنت و جہنم ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے۔ لَا تَقْطَعُ فِي شَرِّ مَعْلَقٍ وَلَا فِي حَرِيصَةِ جَبَلٍ۔ لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُنْتَهَبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ۔ مَنِ انْتَهَبَ نَهْبَةً مَشْهُورَةً فَلَيْسَ مِنَّا یعنی لٹکے ہوئے پھلوں کی اور پہاڑ میں محفوظ چیزوں کی چوری ہو جائے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ جو شخص کسی کا مال بذریعہ خیانت یا بذریعہ لٹیراہن ہتھیالے یا اچک کر لے جائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ ہاں لٹیراہناری جماعت سے خارج ہے (مشکوٰۃ ص ۳۱۳)

صاحب تمام انسان اللہ کے بندے ہیں اور رسول کریم (علیہ التحیۃ والتسلیم) کے پیرو فیلسر: امتی۔ جب اللہ و رسول سب مجرموں کے ہاتھ کٹوانا نہیں چاہتے بلکہ بعض کو بعض دیگر سزاؤں میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو سب کے ہاتھ کاٹنے پر کیوں اصرار ہے؟ "فتاویٰ ہندیہ" کی جملہ دفعات قرآن و حدیث پر مبنی ہیں۔ آپ نہ سمجھ سکے تو قصور کس کا؟

اعتراف: اگر کوئی چور مجرم ہونے کا اقرار کرے تو مسلم حاکم کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے اپنے اعتراف سے پھر جانے کی ترغیب دے تاکہ وہ حد کی سزا سے بچ جائے۔

پروفیسر صاحب نے "فرض ہوگا" کے الفاظ اپنی طرف سے کہے ہیں۔ کتاب میں ان کا ذکر نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ یَنْبَغِي أَنْ يُلَقِّنَ الْمَفْرُوجَ إِحْتِيَا لَاللَّذِّ إِذَا رَجَعَ عَنِ الْأَقْرَارِ صَعَّ فِي الْقَطْعِ وَلَا يَصَحَّ فِي الْمَالِ یعنی اگر کوئی شخص اقرار کرے کہ میں نے فلاں شخص کی چوری کی ہے تو مناسب ہوگا کہ مقرر کو اقرار سے رجوع کرنے کی تلقین کی جائے تاکہ وہ رجوع کے سبب حد سرقہ سے بچ جائے۔ لیکن اس رجوع سے صرف اتنا فائدہ ہوگا کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ باقی رہا مال وہ ضروری طور پر حسب اعتراف اس سے برآمد کیا جائے گا (ج ۲ ص ۱۷۱)

حدیث شریف: یہ مسئلہ دل سے نہیں بنایا گیا۔ بلکہ درج ذیل حدیث سے مستنبط ہے ایک

دفعہ ایک شخص نے بارگاہِ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اعتراف جرم کیا تو آپ نے اسے تلقین فرمائی کہ اِرْحَبْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ اِلَيْهِ رَجوع کر۔ اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر (مشکوٰۃ ص ۳۱) مگر اس نے اعتراف جرم سے رجوع نہ کیا تو آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ جب اس پر سنگساری شروع کی گئی تو وہ بھاگ پڑا۔ سنگسار کنندگان میں سے بعض نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پھر یہ واقعہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ هَذَا تَرْكُ تَمَوُّةٍ لَعَلَّهٗ اَنْ يَتُوْبَ فَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ تم نے اسے (چھوڑ دینا تھا) چھوڑا کیوں نہیں۔ (بھاگنے کے بعد کیوں قتل کیا) شاید کہ وہ اعتراف جرم سے رجوع کر لیتا تو اللہ تعالیٰ اس کا رجوع قبول فرمالتا (مشکوٰۃ ص ۳۱-۳۲)

اعتراض: اگر چہ اعتراف جرم کے بعد عدالت یا سزا کی جگہ سے فرار ہو جاتا ہے تو اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔

پہلے اعتراض کے جواب میں غور کرنے سے اس اعتراض کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے

جواب: کہ جو جرم شہادت کے بغیر محض اعتراف جرم کی بنیاد پر ثابت ہو اس سے اگر مجرم رجوع کر لے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔ پھر چونکہ حدیث مذکور سے پتہ چلتا ہے کہ فرار بھی رجوع کی دلیل بن سکتا ہے لہذا جو شخص سزا کی جگہ سے فرار ہو جائے گا اس کا تعاقب حد قائم کرنے کے لیے ہرگز نہیں کیا جائے گا۔ ہاں جس رقم کا اس نے اعتراف کیا ہے وہ ضرور وصول کی جائے گی۔

پروفیسر صاحب نے چوری کی بابت کچھ اور اعتراض بھی کیے ہیں وہ بھی سب کے سب اسی طرح بے معنی ہیں اور مندرجہ بالا سطور میں غور کرنے سے سب کے جوابات معلوم ہو جاتے ہیں۔ بنا بریں ان سے صرف نظر کر کے آگے بڑھتا ہوں۔

اعتراض: اسلام کی رو سے زنا ایسے شرمناک جرم میں مجرم سخت سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے لیکن فتویٰ ہندیہ (عالمگیری) نے رو رعایت کا ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ حد کی سزا بشکل ہی نافذ کی جاسکتی ہے۔ سوا اس کے کہ مجرم خود اپنے جرم کا اعتراف کرے۔

پروفیسر صاحب نے غلط بیانی کی ہے مجرم کے اعتراف کے بغیر بذریعہ شہادت
جواب: معتبرہ بھی ثبوت زنا ہو سکتا ہے۔ مجرم کا معترف ہونا شرط نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری
 میں ہے۔ **يُثْبِتُ الزَّانَا عِنْدَ الْحَاكِمِ ظَاهِرًا بِشَهَادَةِ اَرْبَعَةٍ شَهَدَوْنَ عَلَيْهِ بِلَفْظِ الزَّانَا**
 یعنی حاکم وقت کے پاس چار آدمی گواہی دیں کہ فلاں شخص نے زنا کیا تو ان کی شہادت سے زنا
 ثابت ہو جائے گا۔ (ج ۲ ص ۱۳۳ عربی)

اعتراف: ایک شخص زنا کے ارتکاب کا اقرار کرتا ہے حالانکہ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے
 تو اسے اپنے اقرار سے پھر جانے کی ترغیب دی جائے گی تاکہ وہ حد کی سزا
 سے جو کہ .. اکوڑے ہے بچے۔

زنا کی حد صرف تنو کوڑے نہیں بلکہ اگر زانی محسن ہو تو اسے سنگسار کیا

جواب: جائے گا یہاں تک کہ مرجائے۔ اقرار سے پھر جانے کی ترغیب کا مسئلہ
 ”فتاویٰ عالمگیری“ میں بدیں عبارت مذکور ہے۔ **نَدَبَ تَلْقِينُهُ قَبْلَتْ اَوَّلَسْتَ**
اَوَّلَسْتَ بِشَبْهَةٍ ... وَالْمَقْصُودُ اَنْ يُلْقِنَهُ مَا يَكُونُ دَارًا كَانَتْ مَا كَانَ (ج ۲ ص ۱۳۳ عربی)

اس کا وہ مطلب نہیں جسے پروفیسر صاحب نے سمجھا اور لکھا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ
 بعض دفعہ مجرم جاہل ہوتا ہے اور اس نے بجائے بڑے جرم کے کسی چھوٹے جرم کا ارتکاب کیا
 ہوتا ہے لیکن بنا برجہالت اس کی تعبیر ایسے لفظ کے ساتھ کرتا ہے جو بڑے جرم پر دلالت کرنے کے
 لیے مختص کیا گیا ہے۔ تو صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے اسے کچھ باتوں کی تلقین کرنا تاکہ
 وہ چھوٹے جرم اور بڑے جرم کے فرق کو سمجھ کر صحیح جرم کا اعتراف کرے اور صحیح سزا پائے۔ ایک
 پسندیدہ فعل ہے ایسا کرنے سے چھوٹے جرم کا مرتکب بڑے جرم کی سزا سے بچ جائے گا مثلاً
 ایک شخص کسی اجنبی عورت کو صرف ہاتھ لگاتا ہے یا بوسہ لیتا ہے یا وطی بالشبہ کرتا ہے تو ان جرموں
 کی سزا حد (.. اکوڑے) نہیں مگر وہ بوقت اعتراف جرم دزنا کا نام لیتا ہے تو اسے **لَعْنَتُ**
قَبْلَتَ (شاید کہ تو نے زنا نہ کیا ہو صرف بوسہ لیا ہو) اَوَّلَسْتَ (شاید کہ تو نے زنا نہ کیا ہو

صرف ہاتھ لگایا ہو) کہہ کر اصل جرم کے اعتراف کی تلقین کرنا ہرگز بُرا نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کردہ مسئلہ تلقین حدیث شریف سے ماخوذ

حدیث شریف: ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک

شخص نے اعترافِ زنا کیا تو آپ نے اسے بدیں الفاظ تلقین فرمائی۔ لَعَلَّكَ قَبَلْتَ أَوْ غَمَزْتَ

أَوْ نَظَرْتَ شاید کہ تو نے صرف بوسہ لیا ہو یا صرف دبایا ہو۔ یا صرف نظر ڈالی ہو (مشکوٰۃ ص ۳۱) جرم

کا اعتراف کرتے ہوئے غلطی واقع ہو جانے کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ

ایک دفعہ ایک پاک باطن شخص نے ایک ایسا گناہ کیا جو نماز باجماعت پڑھنے سے معاف ہو

جاتا ہے۔ مگر انہوں نے اس کا اعتراف بڑے سخت الفاظ کے ساتھ کیا۔ اِنِّیْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمَهُ

عَلَّیْ یعنی یا رسول اللہ! میں نے ایسا گناہ کیا ہے جس نے حد کی سزا واجب کر دی ہے۔ آپ مجھ

پر حد کی سزا قائم فرما دیجئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ

ذَنْبَكَ اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ معاف کر دیا ہے۔ ببرکت اس نماز کے جو تو نے ہمارے ساتھ پڑھی۔

(بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸)

اعتراف: جرم کے اعتراف کی صورت میں اگر اس شرمناک جرم میں شریک دوسرا ساتھی

ارتکابِ گناہ سے انکار کر دے تو دونوں مجرم حد کی سزا سے مستثنیٰ قرار دے

دیئے جائیں گے۔

اس کی وجہ بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ کیونکہ جو ساتھی ارتکابِ زنا سے انکار

جواب: کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں نے جو جرم کیا ہے وہ اتنا

سنگین نہیں کہ اس کے لیے "زنا" کا لفظ استعمال کیا جائے اور بصورت عدم احسان سو سو

کوڑے کھائے جائیں بلکہ وہ جرم چھوٹا (تقبیل غمزہ لمس وغیرہ) ہے۔ اس کی سزا سو کوڑے مقرر

نہیں۔ میرا ساتھی بنا بر جہالت زنا اور غیر زنا میں فرق نہیں کر سکا۔ اس شبہ کی بنا پر "فتاویٰ

عالمگیری" نے دونوں کو حدِ زنا کی سزا سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ کیونکہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔ اِذْ رُوِيَ الْحُدُودُ بِالشُّبُهَاتِ۔ شبہ پڑنے پر حد ختم کر دو (الجامع الصغیر ص ۱۴)

اعترض: مرد اس بات کا اعتراف کر لیتا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا

ہے تو اگر عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اس مرد سے شادی کر لی تھی یا وہ

اپنے جرم کا اقرار کرتی ہے لیکن مرد اس عورت سے شادی کر لینے کا دعویٰ کرتا ہے تو ان میں سے کوئی بھی مستوجب سزا نہ ہوگا۔

پروفیسر صاحب! پندرہ بیس سال تک فقہا کرام کی جوتیاں سیدھی کرنے کے

جواب: بغیر فتاویٰ عالمگیری کی سمجھ نہیں آسکتی۔ اسے علماء عظام ہی سمجھ سکتے ہیں۔

سنیے میں عرض کرتا ہوں۔ دو گواہوں کی موجودگی میں باہمی "ایجاب و قبول" کا نام نکاح ہے تو

اگر (مثلاً) عورت و مرد نے اپنے باپوں یا بالغ بیٹوں کی موجودگی میں باہم ایجاب و قبول کر لیا تو

شرعاً نکاح منعقد ہو گیا۔ لیکن یہ مسئلہ ایک کو معلوم ہے دوسرے کو نہیں پھر دونوں ہم بستری ہوئے

تو جسے علم نہیں اس نے اس ہم بستری کو "زنا" کہا اور دوسرے نے نکاح۔ جب یہ کیس قاضی اسلام

کے سامنے پیش ہوگا کہ دونوں میں سے ایک زنا کا اعتراف کرتا ہے اور دوسرا نکاح کا مدعی ہے تو

قاضی اسلام پر لازم ہوگا کہ وہ اس صورت ممکنہ کی بنا پر کسی پر حد زنا قائم نہ کرے۔ دونوں کو

معاف کر دے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ (فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ مِنْ

أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ)۔ یعنی معافی دینے میں خطا کرنا بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں خطا

کی جائے (مشکوٰۃ ص ۳)

اعترض: ایک شخص جانتا ہے کہ اسلام میں متعہ غیر قانونی ہے۔ مگر اس کے باوصفہ

وہ مقررہ ميعاد کے لیے یا گواہوں کی موجودگی کے بغیر اس سے شادی کر

لیتا ہے اور اس سے نجامت بھی کر لیتا ہے تو اس پر حد کی سزا واجب نہ ہوگی۔

نکاح متعہ حرام ہے اس کے مرتکبین کی بابت "فتاویٰ عالمگیری" میں لکھا

جواب: ہے کہ يُوجَعَانِ عُقُوبَةٌ وَيُجْبَسَانِ حَتَّى يَتَوَّابَا دَوْلُونَ كَوَسْخَتِ سَرَادِي جَانَّةِ

گی اور جب تک سچی توبہ نہیں کرتے جیل میں قید کئے جائیں گے (ج ۲ ص ۱۲۹) لیکن اس کی حرمت زنا کی طرح ہمیشہ سے نہیں۔ پہلے مباح تھا خیبر کے دن حرام فرمادیا گیا (بخاری ج ۲ ص ۴۷۳) پھر فتح مکہ کے دن مباح فرمایا گیا۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۱) پھر قیامت تک کے لیے حرام فرمادیا گیا۔ بنا بریں بعض صحابہ کرام ابتداءً اس کی اباحت کے قائل تھے۔ انہیں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھایا تو انہوں نے اس کی اباحت سے رجوع فرمایا اور قیامت تک کی حرمت کے قائل ہو گئے (بخاری ج ۲ ص ۱۲۹ ج ۲ ص ۴۷۳) معلوم ہوا کہ متعہ کی حرمت ابدی ہونے کے باوجود ازلی نہیں اور قطعی ہونے کے باوجود زنا کی طرح شدید نہیں۔ لہذا جو سزا قرآن و حدیث نے زنا کی بیان فرمائی ہے وہ متعہ کے مرتکبین پر نافذ نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ حد کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ اللہ کے مسلمان بندوں پر اللہ سے اجازت لیے بغیر حد نافذ نہیں کی جاسکتی حدیث شریف میں ہے اذ زواا الحدود عن المسلمین ما استطعتم مسلمانوں سے حتی الوسع حدیں گراؤ (مشکوٰۃ ص ۳) مستند کتابوں کے حوالہ جات مع صفحات درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ پروفیسر صاحب اگر از خود تحقیق کرنا چاہیں اور انہیں عربی آتی ہو تو خود تحقیق کر لیں۔

اعراضنا: نابالغ لڑکی سے زنا پر بھی حد کی سزا واجب نہ ہوگی۔

پروفیسر صاحب نے غلط سمجھا "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے "ان زنی اضعف"

جواب: يَبْجُزُونَ اَوْ صَغِيرَةً يَجَامِعُ مِثْلَهَا حَذَّ الرَّجُلِ خَلَةً اِذَا كَسَى شَخْصًا نَعْمَ عَوْرَتِ

سے یا ایسی نابالغ لڑکی سے زنا کیا جس سے مجامعت ہو سکتی ہے تو مرد کو حد کی سزا دی جائے گی (ج ۲ ص ۱۲۹) ہاں اگر کسی بدکار نے ایسی نوجوان لڑکی سے زنا کرنے کی کوشش کی جس سے مجامعت نہیں ہو سکتی تو چونکہ اس نے حقیقتہً زنا نہیں کیا لہذا اسے زنا کی سزا نہ دی جائے گی۔ بلکہ اگر لڑکی اس کے فعل بد سے مرگئی تو قتل کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ ورنہ دوسری سزاؤں کا۔ جب صغیر سنی کی وجہ سے زنا ہو ہی نہیں سکتا تو زنا کی سزا کیسی؟ اگلے صفحہ کی عبارت اذا زنی بسیدہ اذ حد علیہا کا یہی مطلب ہے جو فقیر نے عرض کیا۔

اعتراف ۱۱: اگر ایک لڑکی ایک سوئے ہوئے آدمی کے بستر میں گھس جاتی ہے اور اسے
مباشرت پر اکساتی ہے اور وہ اس سے شرمناک جرم کا ارتکاب کر لیتا ہے
تو حد کی سزا کسی پر نافذ نہ ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری کی اصل عبارت یہ ہے۔ لَوْ مَكَنتُ نَفْسَهَا مِنَ النَّاسِ
جواب: لَا يَجِبُ عَلَيْهَا الْحُدُّ ۱۵ ص ۲۱۰ اس کے معنی وہ نہیں جنہیں پروفیسر صاحب نے بیان کیا بلکہ
مطلب صرف اتنا ہے کہ مرد سویا ہوا ہے عورت نے اپنے آپ کو اس کے قابو میں دے دیا ہے کہ
وہ جو چاہے اس سے کرے۔ عبارت میں مرد کے جاگنے کا ذکر نہیں شہوت میں آنے کا ذکر نہیں دخول
کرنے کا ذکر نہیں اور ان سب چیزوں کے پاتے جانے کے بغیر زنا متحقق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زنا
مرد کا فعل ہے عورت کا نہیں۔ عورت فاعل نہیں ہوا کرتی مفعول بہا ہوا کرتی ہے۔ جب فاعل
سویا ہوا ہے اور فعل ثابت ہی نہیں تو حد زنا کا مستوجب کون ہوگا؟ ہاں وہ عورت اپنی اس
ناپاک حرکت اور غلیظ جسارت کی بنا پر "حد زنا" کے علاوہ تعزیر کی ضرور مستحق ہوگی۔ پروفیسر صاحب
کا یہ لکھنا کہ "وہ اس سے شرمناک جرم کا ارتکاب کر لیتا ہے" محض ایجاد بندہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری
میں اس بات کا وجود نہیں۔ اگر پروفیسر صاحب یہ کہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی لڑکی باوصف
تمکین کسی کے بستر میں گھس جائے اور وہ اس سے شرمناک فعل نہ کرے۔ تو جواب عرض کروں گا۔
کہ ہم مسلمانوں کا نابناک ماضی اس قسم کے معطر واقعات سے بھرا پڑا ہے کہ اہل اللہ کو پھسلانے
کی غرض سے حسین سے حسین تر لڑکیاں خوب بن ٹھن کر رات بھر پیش ہوتی رہیں مگر عذاب الہی
سے ڈرنے والوں نے باوجود جاگنے اور باوجود جوان و تندرست ہونے کے ان کی طرف آنکھ اٹھا
کر بھی نہ دیکھا اور شب بھر عبادت گزار میں رہے۔ (شرح الصدور ص ۹)

اعتراف ۱۲: ایک عورت یا لڑکے پر غیر فطری حملہ کرنے کی صورت میں مجرم پر حد کی سزا
نافذ نہ ہو سکے گی بلکہ اس کی بجائے اس پر تعزیر کی سزا نافذ ہوگی جو کہ تین
سے انتالیس کوڑوں تک ہے۔

جواب: زنا کے لیے ایلاج فی القبل ضروری ہے ایلاج فی الدبر کا نام زنا نہیں ہو سکتا

لہذا وہ مجرم جس نے زنا نہیں کیا اس پر حد زنا کی سزا کس طرح نافذ ہو سکتی ہے۔ غیر فطری حملہ کرنے والے کی جو سزا قرآن و حدیث نے مقرر نہیں فرمائی وہ سزا فتاویٰ عالمگیری مقرر نہیں کر سکتا۔ ہاں اس گھناؤنے جرم کی سزا "تین سے انتالیس کوڑوں" تک ہی نہیں بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔ لَوْ اَعْتَادَ اللّٰهُ لَلنَّوَاطِئَةِ قَتْلَهُ الْاِمَامُ اِذَا رُكِبَتْ شَخْصٌ غَيْرَ فِطْرِي حَمْلَهُ كَرْنَةَ كَا عَادِي هُوَ تُوَ اس کو امام قتل کر دے (صرف کوڑوں پر اکتفا نہ کرے) (ج ۲ ص ۱۵)

اعتراف: پھر اگر زنا کے ایک کیس میں تین گواہ یہ شہادت دیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مجرموں کو جرم کرتے دیکھا ہے اور چوتھا یہ گواہی دے کہ اس نے ملزمین کو بستر میں ملفوف دیکھا ہے تو حد کی سزا نافذ نہ ہوگی بلکہ اس کی بجائے پہلے تین گواہوں پر حد قذف کی سزا جو اتنی کوڑے ہے جاری کی جائے گی۔

جواب: اگر ملزم اعتراف نہ کرے تو ثبوت زنا کے لیے چار گواہوں کی شرط اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور آیت ۱۳ میں صراحتاً ذکر فرمائی ہے اور کسی پر زنا کی تہمت لگائی

جائے اور "چار گواہ" پیش نہ کیے جائیں تو اسی آیت میں تہمت لگانے والوں کو عند اللہ کاذب کہا گیا ہے پھر اس سورۃ کی آیت ۱۴ میں ان تہمت لگانے والوں کو اتنی کوڑوں کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کا مسئلہ مذکورہ ان دو آیتوں کی روشنی میں مرتب فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں گواہ صرف تین ہیں۔ چوتھا ملفوف ہونے کا گواہ ہے زنا کا گواہ نہیں۔ اور ملفوف ہونا دخول کو مستلزم نہیں اور دخول کے بغیر زنا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے عورت رقعہ ہو ممکن ہے مرد محبوب ہو ممکن ہے دونوں پر یا کسی ایک پر یکدم خوف خدا طاری ہو گیا ہو اور وہ سنگین جرم کے ارتکاب سے بچ گئے ہوں جیسا کہ حدیث شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ عین برہنگی و تنہائی کی حالت میں عورت نے مرد کو "انٹی اللہ" کہہ کر فعل بد سے بچا لیا۔ (مشکوٰۃ ص ۲۱) جب ملفوف ہونے کا گواہ زنا کا گواہ نہیں تو حد زنا کس

طرح لگائی جاسکتی ہے۔ پروفیسر صاحب کا اس مسئلہ پر اعتراض کرنا جو قرآن مجید سے صراحتاً ثابت ہو رہا ہے یقیناً علامات قیامت سے ہے۔

پروفیسر صاحب بیچارے علم حدیث میں کافی کمزور ہیں ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ یہ کیس تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ عدالت میں پیش ہونے والے کیس کے بالکل موافق ہے اور آپ نے وہی فیصلہ فرمایا تھا جو فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے (سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۲۲ البدایۃ والنبایۃ ج ۸ ص ۵۷)

اعتراض ۱۴: اگر شاید اس عورت کو نہیں پہچانتے جس کے ساتھ جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے تو کسی پر حد کی سزا جاری نہ ہوگی۔

جواب: یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری (ج ۲ ص ۱۵۲) میں ہدایہ اولین (ص ۵۳۱) سے نقل کیا گیا ہے۔ ہدایہ میں حد کی سزا جاری نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب گواہ عورت کو پہچانتے نہیں تو ممکن ہے کہ وہ عورت اس مرد کی بیوی ہو یا باندی۔ اور بیوی و باندی سے ہم بستری کرنا زنا نہیں۔ چونکہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ شہادت سے حدیں گرجایا کرتی ہیں۔ اس لیے اس شبہ کی بنا پر حد زنا جاری نہ کی جائے گی۔

اعتراض ۱۵: اگر دو شاہد کسی ملزم کے بارے میں یہ شہادت دیں کہ اس نے فلاں عورت پر مجرمانہ حملہ کیا مگر دوسرے یہ کہیں کہ اس نے اس جرم کا ارتکاب عورت کی مرضی سے کیا ہے۔ تو کسی پر حد کی سزا جاری نہ ہوگی۔

جواب: اس جگہ پروفیسر صاحب نے زبردست خیانت سے کام لیا ہے اور مغالطہ دہی کی خاطر فتاویٰ عالمگیری کی اصل عبارت ذکر کی ہے نہ اس کا صحیح مفہوم بیان کیا نہ نمبر صفحہ لکھا۔ اصل عبارت یہ ہے۔ اَرْبَعَةٌ شَهِدُوا عَلَى رَجُلٍ بِالزَّوْنِ فَشَهِدَ اِثْنَانِ اَنَّهٗ اسْتَكْوَهَهَا وَشَهِدَ اِثْنَانِ اَنْهَا طَاوَعْتَهُ قَالَ اَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ اَدْرَا عَنْهُمْ اَلْحَدَّ جَمِيعًا يَعْنِي الرَّجُلَ وَالْمَرْأَةَ وَالشَّهَادَةَ ۱۵۲ فتاویٰ ہندیہ اردو شائع کردہ شیخ

غلام علی اینڈ سنز لاہور میں اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔ ”چار مردوں نے ایک شخص پر زنا کی گواہی دی جن میں سے دو گواہوں نے کہا کہ اس مرد نے اس عورت کو باکرہ اور مجبور کر کے زنا کیا ہے اور دوسرے دو گواہوں نے کہا کہ اس عورت نے خود اس کی مطاوعت کی ہے تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ حد ان سب سے دور کر دی جائے گی۔ یعنی مرد و عورت و گواہوں سب سے رفع کی جائے گی (ج ۳ ص ۳۲۲) اس ترجمہ میں اور پروفیسر صاحب کی ذکر کردہ عبارت میں بڑا فرق ہے۔ پروفیسر صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ عورت کی رضامندی کی صورت میں اگر زنا واقع ہو تو فتاویٰ عالمگیری کے مطابق حد زنا کی سزا قائم نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ مطلب غلط ہے اور یہ تاثر گمراہ کن ہے۔ بلکہ صحیح مطلب عبارت مذکورہ کا یہ ہے کہ چونکہ ثبوت زنا کے لیے چار عادل گواہوں کا ہونا ضروری ہے (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۲۲) اس جگہ سب گواہ عادل نہیں ہیں ان میں سے دو یقیناً جھوٹے ہیں۔ کیونکہ اگر عورت رضامند نہ تھی اور مرد نے اس پر زبردستی کی تو رضامندی و مطاوعت کے گواہ جھوٹے ہیں اور اگر رضامندی تھی تو اکراہ و زبردستی کے گواہ جھوٹے ہیں۔ جب اس کیس میں چار عادل گواہ پیش نہیں کئے گئے تو زنا ثابت نہ ہوا۔ لہذا حد زنا کسی پر قائم نہیں کی جاسکتی۔

پروفیسر صاحب: علم فقہ آسان علم نہیں آپ اس کو علماء کرام کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ اگر آپ نے ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی نہیں کیا تو کر لیں۔

پھر علوم فقہیہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے توضیح تلویح و مسلم الثبوت تک کتب اصول فقہ اور ہدایہ و درمختار تک کتب فقہ سابقاً سبقاً پڑھیں۔ پھر فتاویٰ عالمگیری کا مطالعہ کریں تو انشاء اللہ خواہ مخواہ کی الجھنوں سے محفوظ رہیں گے اور یقین فرمائیں گے کہ حنفی فقہ قرآن مجید حدیث شریف اور اقوال صحابہ کے عین موافق ہے اور سب فقہوں سے بالا ہے۔ اس کی تدوین کی سعادت جن نفوس قدسیہ کو حاصل ہوئی ان کے اذہان طیبہ میں ہمہ وقت لاکھوں حدیثیں موجود رہتی تھیں ان ہی حدیثوں نے بو وقت تدوین ان حضرات کی رہنمائی فرمائی۔ پروفیسر صاحب! میرا اور آپ کا

علم تو بہت تھوڑا ہے۔

امام شعرانی: محقق مذاہب اربعہ عارف ربانی سیدی عبدالباقی الشعرانی الشافعی

فرماتے ہیں۔ قَدْ تَبَعْتَ بِمَحَدِ اللَّهِ أَقْوَالَ وَأَقْوَالَ أَصْحَابِهِ... فَلَمْ

أَجِدُ قَوْلًا... إِلَّا وَهُوَ مُسْتَدٌّ إِلَى آيَةٍ أَوْ حَدِيثٍ أَوْ إِثْرٍ أَوْ إِلَى مَفْهُومٍ ذَلِكَ أَوْ حَدِيثٍ
ضَعِيفٍ كَثُرَتْ طُرُقُهُ أَوْ إِلَى قِيَاسٍ صَحِيحٍ عَلَى أَصْلٍ صَحِيحٍ یعنی میں نے بحمدہ تعالیٰ امام اعظم
ابوحنیفہ کے اقوال کا اور آپ کے اصحاب کے اقوال کا بغور مطالعہ کیا۔ مجھے کوئی قول ایسا نظر نہیں آیا جس
نے کسی آیت یا حدیث یا آثار صحابہ یا ان کے مفہوم کا یا ایسی حدیث ضعیف کا جو کثرتِ طرق کی وجہ
سے قوی ہو چکی ہے۔ یا قیاس صحیح کا سہارا نہ لیا ہو۔ (بلکہ ان کا ہر قول مندرجہ بالا اصول شرعی
میں سے کسی نہ کسی سے ضرور ثابت پایا) (المیزان الکبریٰ ص ۴۳)

پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے فتاویٰ عالمگیری کے خلاف تین مضمون روزنامہ
"امروز" لاہور میں چھپواتے ہیں۔ پہلا مضمون ۳ جنوری کو چھپا تھا۔ جس کا جواب اہل سنت و
جماعت کے موقر ماہنامہ "رضائے مصطفیٰ" گوجرانوالہ میں بالاقساط شائع ہو رہا ہے۔ دوسرا
مضمون میری نظر سے نہیں گزرا۔ کوئی صاحب بھجوادیں تو بشکر یہ قبول ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے چاہا
تو اس کا بھی جواب لکھا جائے گا۔ تیسرا مضمون ۴ اپریل ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ذیل
میں اس تیسرے مضمون کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں پھر بتوفیقہ تعالیٰ جواب عرض کروں گا۔

اعترض بمبتعلق عقیقہ پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ لاہور جلد نہم
ص ۱۴ پر عقیقہ کی رسم کے بارے میں یہ فتویٰ درج ہے۔ "جامع صغیر

میں مذکور ہے نہ پسر کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور نہ دختر کی طرف سے اور یہ کراہت کی طرف
اشارہ ہے" اور فقہ کی ایک کتاب "نیل الاوطار" میں امام ابوحنیفہ کا عقیقہ کے بارے میں فتویٰ
ہے کہ "عقیقہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی جسے اسلام نے مٹا دیا"

جواب: فتاویٰ عالمگیری نے عقیقہ کو نہ مکروہ تحریمی کہا نہ مکروہ تنزیہی بلکہ عقیقہ کے جائز و

مباح ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ العقیقہ عن الغلام وعن الجارية وهي ذبح شاة في سابع الولاة وضيافة الناس وحلق شعرة مباحة لا سنة ولا واجبة۔ یعنی پسرا اور دختر کی پیدائش کے بعد ساتویں دن عقیقہ کرنا۔ بکری ذبح کرنا۔ لوگوں کی ضیافت کرنا مولود کے بال منڈوانا جائز و مباح ہے۔ سنت مؤکدہ اور واجب نہیں۔ عقیقہ کے متعلق فتاویٰ عالمگیری کا یہ فتویٰ ص ۳۶۲ جلد پنجم میں درج ہے اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ افسوس! کہ پروفیسر صاحب نے اپنے منصب کا لحاظ نہ کیا اور مندرجہ بالا فتویٰ سے آنکھیں بند کر کے "جامع صغیر" کی عبارت کا سہارا لیا اور بجائے جامع صغیر کے فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض جھڑویا۔ اگر وہ تعصب سے بچ کر عبارت فتاویٰ میں تامل کرتے تو ان کی سمجھ میں یہ بات آسانی سے آجاتی کہ مرتبین فتاویٰ عالمگیری نے عقیقہ کے جواز کا فتویٰ دے کر یہ بتایا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عقیقہ کی بابت دو قول ذکر فرمائے ہیں۔ ان کا ایک قول عقیقہ کے جواز کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرا قول کراہت کی طرف۔ لیکن ہم مرتبین فتاویٰ عالمگیری کے نزدیک عقیقہ جائز و مباح ہی ہے نہ مکروہ تحریمی ہے نہ مکروہ تنزیہی۔

سوال۔ جامع صغیر فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے اس میں عقیقہ کی کراہت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ حنفی کے بانی ہیں۔ انہوں نے عقیقہ کو رسم جاہلیت قرار دیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔ عقیقہ بطریقہ اسلام اور بطریقہ جاہلیت میں فرق ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کنا فی الجاہلیۃ اذا ولد لاحدنا غلام ذبح شاة وطلع رأسہ بدھا فلما جاء اللہ بالاسلام کنا نذبح شاة وخلق رأسہ و نلطفہ بزعفران یعنی زمانہ جاہلیت میں ہم میں سے جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کر کے اس کا خون بچے کے سر پر لگا دیتا جب اللہ تعالیٰ نے اسلام عطا فرمایا تو ہم بچے کی پیدائش کے بعد بکری ذبح کرنے بچے کے بال منڈواتے اور بجائے خون کے اس کے سر پر زعفران لگا دیتے۔

(الہوداؤد جلد دوم ص ۳۶۲)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس عقیدہ کو رسم جاہلیت قرار دیا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جسے مکروہ کہا ہے وہ وہی عقیدہ ہے جو بطریقہ جاہلیت کیا جائے۔ اور جو عقیدہ بطریقہ اسلام کیا جائے اسے نہ کسی نے مکروہ کہا ہے اور نہ رسم جاہلیت قرار دیا ہے۔

سوال: حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ اما العقیقۃ فبلغنا انہا کانت فی الجاہلیۃ وقد فعلت فی اول الاسلام ثم نسخ الاضحیٰ کل ذبح قبلہ ونسخ شہور رمضان کل موم کان قبلہ یعنی ہمارے مشائخ کے ذریعہ یہ روایت پہنچی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عقیقہ تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی کیا جاتا تھا پھر عید الضحیٰ کی قربانی نے تمام پہلے ذبجے منسوخ کر دیئے اور ماہ رمضان کے روزوں نے تمام پہلے روزے منسوخ کر دیئے (موطا ص ۷۲۲)

جواب: پہلے تین حدیثیں ملاحظہ ہوں تاکہ فہم جو اب میں آسانی رہے۔

حدیث ۱۔ یدبح عنہ یوم السابع ویحلق رأسہ ویدعی یعنی ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے اس کا سر منڈوایا جائے اور سر کو خون آلود کیا جائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یدعی کے معنی بتائے ہیں کہ عقیقہ کے جانور کے بال لے کر اس کی گردن کی رگوں میں رکھ کر خون سے تر کئے جائیں۔ پھر بچے کے تالو پر رکھے جائیں۔ تاکہ تالو پر دھاگہ کی مانند خون بہہ جائے (بیہقی ص ۳۳۳ جلد نم)۔

حدیث ۲۔ اھریقو عنہ دماً۔ یعنی بچہ کی طرف سے جانور کا خون بہاؤ (ابوداؤد ص ۳۹۲ جلد دوم۔ بخاری ص ۸۷۲ ج ۲۔ مشکوٰۃ ص ۳۶۲)

حدیث ۳۔ من ولد لہ ولد فاحب ان ینسک عنہ فلینسک۔ یعنی اللہ تعالیٰ جسے بچہ عطا فرمائے اور وہ بچہ کی طرف سے جانور ذبح کرنا پسند کرے تو اس کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۹۲)۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کے سر پر خون لگانا اسلام کے آتے ہی منسوخ نہیں ہوا تھا بلکہ ابتدائے اسلام میں کچھ عرصہ تک یہ رسم موجود رہی پھر مٹائی گئی۔ دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں پہلے پہل عقیقہ واجب تھا کیونکہ "اھریقو" صیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور تیسری حدیث سے پتہ چلا کہ عقیقہ کا وجوب صرف ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں

یہ وجہ منسوخ ہو کر جواز میں تبدیل ہو گیا۔ اسی لیے حدیث مذکور کو محدث بیہقی علیہ الرحمۃ نے عدم وجوب عقیقہ کی دلیل قرار دیا ہے (بیہقی جلد دوم ص ۳) چونکہ حنفی علماء کی نظر دربارہ احادیث بہت وسیع ہے اور یہ حضرات حدیث دانی میں سب پر فائق ہیں اور سب حدیثوں پر نظر رکھ کر مسائل استنباط کیا کرتے ہیں اس لیے انہوں نے تمام حدیثوں کے پیش نظر یہ افاضہ فرمایا ہے۔ کہ عقیقہ میں بچے کا سرخون آلود کرنا مانہ جاہلیت میں تھا۔ اسلام کی آمد کے کچھ عرصہ بعد جاہلیت کی یہ رسم مٹادی گئی اور جانور کا ذبح کرنا واجب قرار دیا گیا۔ پھر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دشواریوں سے نکلانے کے لیے جو اقدامات فرمائے ان میں عقیقہ کا وجوب بھی منسوخ فرمایا۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے عقیقہ بطریقہ اسلام کے جواز کے منسوخ یا مکروہ ہونے کا قول ہرگز نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ عقیقہ میں جو رسم جاہلیت چلی آرہی تھی وہ بھی اور عقیقہ کو جو واجب قرار دیا گیا تھا وہ بھی منسوخ کر دیا گیا۔ لہذا اب جو عقیقہ ہے وہ جائز و مباح ہے نہ مکروہ ہے نہ واجب جیسا کہ رمضان کے علاوہ عاشورہ و ایام بیض کے روزے۔

ڈھائی سال کی خاموشی کے بعد پروفیسر مذکور نے مسئلہ عقیقہ کے متعلق پھر ایک مضمون داغ دیا جس سے مسلمانوں کو خاصی پریشانی ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے ۲۷ نومبر ۱۹۸۱ء کے اخبار جنگ لاہور میں لکھا ہے کہ

اعتراف بدائع الصنائع حنفی فقہ کی معتبر ترین کتاب ہے اور اس کے مؤلف علامہ کاسانی کو فقہا کا بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں عقیقہ کے متعلق لکھا ہے کہ عید الفصحی کی قربانی نے پہلے سے مروج تمام قربانیوں کو منسوخ کر دیا۔ عقیقہ کا رواج عید قربانی سے پہلے کا تھا۔ اس لیے یہ منسوخ ہو گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ منسوخ ہو جانے سے پہلے بھی عقیقہ کوئی فرض نہیں تھا بلکہ محض ایک کارِ ثواب تھا لیکن منسوخ ہو جانے کے بعد یہ کارِ ثواب بھی نہ رہا بلکہ ایک مکروہ فعل قرار پایا (ج ۵ ص ۱۲۴)

جواب۔ دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی پروفیسر صاحب نے ٹھوکر کھائی۔ علامہ کاسانی

نے مسئلہ عقیدہ کے متعلق اسی کتاب کے ص ۶۹ جلد ۵ میں جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی ج ۵ ص ۱۲۷ والی عبارت کا وہ مطلب نہیں جو پروفیسر صاحب نے سمجھا۔ علامہ موصوف نے ایک حدیث نقل کی **مَنْ شَاءَ فَلْيُحَقِّقْ عَنِ الْعِلْمِ مَشَاتِيمَ وَمِنْ الْجَارِيَةِ مَشَاةً**

جو شخص عقیدہ کرنا چاہے اسے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنی چاہیے۔ پھر حدیث کی شرح بیان فرمائی کہ **عَلَّقَ الْعَقْنَ بِالْمَشِيَةِ وَهَذَا إِصْرٌ عَلَى الْبَاحِلَةِ** حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ کو صاحب اولاد کی مرضی پر موقوف رکھا۔ آپ نے اس کے کرنے کا تاکید حکم نہیں دیا جس سے پتہ چلا کہ عقیدہ صرف جائز و مباح ہے۔ سنت مؤکدہ نہیں (ج ۵ ص ۶۹)

معلوم ہوا کہ علامہ کا سانی کے نزدیک عقیدہ کا فعل جائز و مباح ہے مگر وہ نہیں البتہ

اسے سنت مؤکدہ جانا مکروہ ہے کیونکہ وہ تعلق بالمشیتہ والی حدیث کے خلاف ہے یہی مضمون علامہ شامی نے ذکر کر کے فرمایا کہ عقیدہ اگرچہ بذات خود مباح ہے مگر بچے کی ولادت کی خوشی میں **بِإِزَادَةِ شُكْرِ ذَنْبٍ كَرَامَةِ عِبَادَاتٍ وَطَاعَاتٍ بَعْدَ فَإِنَّ النَّيَّةَ تُفَيِّرُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ وَالْمُبَاهَاتِ طَاعَاتٍ**۔ کیونکہ اچھی نیت عادت کو عبادت اور مباح کو طاعت بنا دیتی ہے (رد المحتار ص ۲۰۸)

کے بعض غیر مقلد وہابیوں نے ایک کتابچہ بنام "فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ حدیث" شائع کر کے فتاویٰ عالمگیری کے گیارہ مسئلوں کے مقابلہ میں کچھ

گوہر الزوالہ

حدیثیں ذکر کیں اور یہ تاثر دیا کہ یہ مسئلے ان حدیثوں کے مخالف ہیں زیر نظر مضمون میں ثابت کیا گیا ہے وہابیہ نے نہ فتاویٰ عالمگیری کو سمجھا ہے نہ احادیث شریفہ کو۔ اور ان مسائل میں سے ایک مسئلہ بھی خلاف احادیث نہیں۔ یہ صرف اس طائفہ مخذولہ کی سمجھ کا پھیر ہے جن پر شان رسالت ولانت میں گستاخی کی پھٹکار ہے۔ اور جنہوں نے دشمن اسلام انگریز گورنمنٹ کو خدا کی رحمت کہا تھا اور انگریزوں سے وفاداری کی سندیں حاصل کی تھیں (ملاحظہ ہو الحیات بوالہیات ص ۱۶۲) بنا بریں ذو انتقام جل مجدہ نے ان سب کی عقلیں ناکارہ کر دی ہیں اور انہیں زمرہ سفہار الاحلام

میں داخل کر دیا ہے۔

اعراض - فنادی عالمگیری میں ہے (کھجور کی شراب) نبیذ اگر نو پیالے پیئے تو نشہ نہ آئے دسواں پیالہ پینے کے بعد نشہ آئے تو حد جاری نہیں کی جائے گی (جلد ۵ صفحہ ۳۱۴ سطر ۸) حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو چیز نشہ لاتی ہے وہ شراب ہے۔ کل صکرو خمور (مسلم) اور آپ نے فرمایا جو چیز بہت نشہ لاتی ہے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے (ابوداؤد) (کتابچہ وہابیہ)

الجواب - غیر مقلد وہابیوں نے فنادی عالمگیری کی اصل عبارت کا بڑی طرح جھٹکا کیا اور حلیہ بگاڑا۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ اذا شرب تسعة اقداح من نبیذ التمر فاوجع العاشرون فسکولم یجد لان السكر یصاف الی ما ہو یعنی اگر ایک شخص نے نو پیالے نبیذ تم کے پیئے پھر دسواں پیالہ اس کے منہ میں ڈالا گیا۔ پس نشہ میں ہو گیا تو اس کو حد نہ ماری جائے گی۔ اس واسطے کہ سکر اس کے اقرب کی طرف مضاف ہوتا ہے (عربی ص ۱۳۱ ج ۲) مزہم مطبوعہ نوکشتورینج ۱۸۰۰ وجہ اس کی یہ ہے کہ نبیذ تم شراب بمعنی خمر کا نام نہیں بلکہ اس پانی کا نام ہے جس میں چند کھجوریں ڈال دی جاتیں۔ تاکہ پانی میٹھا ہو جائے جس طرح آج کل شکر ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا ہے اسی طرح زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کھجوریں ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا تھا۔ شرعاً اس مشروب کا پینا بلا کراہت درست ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بارہا نوش فرمایا۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

حدیث ۱ - حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے اپنے اس پیالے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درج ذیل مشروبات پلانے کی سعادت حاصل کی العسل والنبیذ والماء واللبن (شہد نبیذ پانی اور دودھ)۔

حدیث ۲ - ام المؤمنین سیدتنا الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کنا نبیذ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سقاء ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشک میں نبیذ تیار کیا کرتی تھیں۔

حدیث ۳۲۰۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شروع رات پانی میں کھجوریں ڈال دی جاتیں پھر آپ اس نبیذہ تمر کو صبح سے لے کر تیسرے دن کی عصر تک جب چاہتے نوش فرماتے۔ فان بقی شیئ مسقاہ الخادم او امر بہ فصب پھر اگر کچھ بچ رہتا تو خادم کو پلا دیتے یا حکم فرماتے تو گرا دیا جاتا (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۳)

تیسری حدیث کی تشریح میں محدثین کرام نے فرمایا کہ اگر بوجہ گرمی وغیرہ کے نبیذہ میں نشہ پیدا ہو جاتا (جس کی پہچان رنگ بدلنے جھاگ پیدا ہونے وغیرہ سے ہو جاتی ہے)۔ تو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گرانے کا حکم دے دیتے اور اگر نشہ پیدا نہ ہوتا تو خادم کو پلا دیتے (مرقاۃ جدیدہ ص ۲۷۷ جلد ۵) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبیذہ تمر عمدہ و پسندیدہ مشروب ہے۔ البتہ اسے اگر زیادہ دیر تک رکھا جائے تو اس میں کبھی نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ

مشروب نشہ آور ہونے سے پہلے بلا کر بہت حلال ہے اور نشہ آور ہونے کے بعد بلاشبہ حرام

ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی مندرجہ عبارت ان احادیث کی روشنی میں مرتب فرمائی گئی ہے۔ یعنی

اگر کسی شخص نے نبیذہ تمر کے ایسے نو پیالے پیئے جن میں نشہ نہ تھا اور دسواں پیالہ جس میں نشہ

تھا اس نے خود نہ پیا بلکہ کسی نے اس کے منہ میں زبردستی ڈال دیا جس سے وہ نشہ میں ہو گیا تو

اس کو حد نہ ماری جائے گی کیونکہ جس نبیذہ کو اس نے خود پیا اس میں نشہ نہ تھا اور جس میں نشہ تھا

اسے اس نے خود نہ پیا جب نشہ آور چیز بغیر اکراہ کے خود نہ پی جائے تو حد نہیں لگائی جاسکتی

قرآن مجید میں ہے **مَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ** یعنی جو شخص حرام چیز کے

کھانے یا پینے پر مجبور ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں (البقرہ ع ۱۷۱)

فتاویٰ عالمگیری پر یہ اعتراض وہابیہ کی درج ذیل جہالتوں کا نتیجہ ہے۔

وہابی جہالتیں: • اَوْجُرُ الْعَاشِرَ كَا تَرْجَمَهُ يَهُدَى "دسواں پیالہ اس کے منہ میں

زبردستی ڈالا گیا" وہابیہ کو اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں آیا۔ انہوں نے اپنی جہالت کا ماتم کرنے

کی بجائے فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض کر دیا۔

شرم ان کو مگر نہیں آتی

• فتاویٰ عالمگیری کی عبارت نبیذکر کے متعلق ہے اور وہابیہ نے اس کے مقابل جو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ وہ بجائے نبیذکر کے خمر سے متعلق ہیں ان بیچاروں کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ خمر میں اور نبیذ میں کیا فرق ہے۔ تو کیا ان کی "بوتھیاں" اس لائق ہیں کہ فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض کر سکیں۔

• کتب حدیث میں نبیذکر سے متعلق بکثرت حدیثیں پائی جاتی ہیں لیکن نام کے اہل حدیث ان تمام حدیثوں سے نرسے جاہل ہیں۔ ورنہ فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض کرتے وقت ضرور ثر مانتے۔

• فتاویٰ عالمگیری کی مندرجہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے وہابیہ نے یہاں تک لکھ دیا کہ ان فتاویٰ میں ام الحجابات کے متعلق اس قدر وسعت ہے تو دوسری برائیاں کیسے ختم ہو سکتی ہیں۔ "جس مشروب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا ہو اسے ام الحجابات کہنا وہابیہ کی کتنی بڑی بے ایمانی ہے۔"

وہابی گرچہ اخفاں میکند بغض نبی لیکن

نہاں کے مانند آں راز سے کز د سازند مخلصا

سید الظاہرین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشروب (نبیذ) پر ام الحجابات جیسے ناپاک لفظ کا اطلاق کرنے اور فتاویٰ عالمگیری پر احمقانہ اعتراض

کرنے والے وہابیوں کے اپنے پسندیدہ مشروبات و مطعومات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

پہلا مسئلہ: اگر گٹا گنویں میں گر پڑے اور پانی کارنگ یا مزہ یا بوت تبدیل نہ ہو تو وہ پاک ہے (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۳۳۸)

دوسرا مسئلہ: زیادہ تر صحیح قول یہ ہے کہ کتے اور خنزیر کے سوا سب جانوروں کی منی پاک ہے (فقہ محمدی جلد ۱ ص ۴۱)

توضیح: وہابی مذہب میں بندر گینڈر ریچھ ہاتھی وغیرہ کی منی پاک ہے اور اگر گٹا گنویں میں گر پڑے اور اس کی منی گویا پشاب وغیرہ پانی میں حل ہو جائے تو وہ بھی پاک ہے جب تک اس کارنگ وغیرہ نہ بدے۔ پلیڈ اور ام الحجابات تو صرف وہ پانی ہے جس میں جموں کی ذالی جائیں۔

کسی نے سچ کہا۔

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

تیسرا مسئلہ: "جب تک پانی کا کوئی وصف نہ بدلے قلیل ہو یا کثیر نجاست کرنے سے وہ نجس نہیں ہوتا۔" اہل حدیث نے اسی کو اختیار کیا ہے (لغات الحدیث جلد ۴ ص ۲۳ ن) یعنی پاؤ بھر پانی میں پاؤ بھر پیشاب کیا جائے اور پانی کا وصف نہ بدلے تو وہابی مذہب میں اس کا پینا جائز ہے۔

نجد یا کتنی ہی گندی ہے طبیعت تیری

چوتھا مسئلہ: "خون کی نجاست پر کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ خصوصاً حلال جانور کے خون کی نجاست پر البتہ حیض کا خون نجس ہے اور اصل اشیا میں طہارت ہے" (لغات جلد ۲ ص ۶۸) یعنی وہابی مذہب میں خون نفاس خون استحاضہ اور وہ خون جو پھوڑوں سے نکلے پاک الاستحلال ہے پانی میں ملا کر پینے سے عمدہ مشروب کا کام دیتا ہے۔ جیسے کو تیسرا۔

پانچواں مسئلہ: "جو روٹی شراب ملا کر پکائی جاتے اس کا کھانا درست ہو گا جن ادویہ میں شراب کی روح یعنی الکحل شریک ہوتی ہے اس کا بھی استعمال درست ہو گا ہمارے علماء اہل حدیث میں سے مفتی مہر نے ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔ (لغات جلد ۱ ص ۴ م)

چھٹا مسئلہ: "کپڑے یا جسم میں شراب لگ جاتے تو دھونے کی ضرورت نہیں کیونکہ شراب نجس نہیں ہے" (لغات جلد ۴ ص ۸ ن)

وہابی مذہب میں گیارہویں حرام اور شراب کی روٹی اور شراب آمیز ادویہ کا استعمال جائز ہے۔ کپڑے یا جسم میں شراب لگ جاتے تو دھونے کی ضرورت نہیں یہ ہے ان کی فقہانیت سے محرومی و فتاویٰ عالمگیری کی دشمنی کا نتیجہ جس کے باوجود انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے۔

وہابیہ کی اس نجاست پسندی و بد عقیدگی کی وجہ سے علماء اہل سنت و جماعت کا متفقہ فتویٰ ہے کہ وہابی امام کی اقتدار میں نماز پڑھنی منع ہے

52937

اگر غلطی سے پڑھ لی گئی تو اس نماز کا دہرانا ضروری ہے کیونکہ دل کو اعتقادی نجاست سے اور اور لباس و جسم کو شراب، پیشاب، خون وغیرہ کی نجاستوں سے پاک نہ رکھنے والا شخص امام نہیں بن سکتا ہے

ایسے امام سے گزر ایسی نماز سے گزر

اعترض ۱۹: فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا یقتل الرجل بعدہ یعنی جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے اس کو بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ ص ۸۷ سطر ۳)

حالانکہ حدیث میں ہے من قتل عبداً قتلناه نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم بدلے میں اس کو قتل کریں گے (ابوداؤد)

الجواب اولاً: غیر مقلد وہابیوں نے ترجمہ حدیث میں "بدلے میں" کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھاتے ہیں۔ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا معنی "بدلے میں" کیا

جاتے۔ یہ وہابیہ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اقرار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ كَذَّبَ عَلَيَّ مُتَعِدًّا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدًا مِنَ النَّارِ۔ جس نے مجھ پر افتراء باندھا اس کا ٹھکانا جہنم کی آگ ہے (مشکوٰۃ ص ۳۵)

ثانياً: اس مسئلہ کی بابت کتب حدیث میں صرف وہی حدیث مذکور نہیں جسے وہابیہ نے ذکر کیا اور اپنی مرضی کا ترجمہ گھڑ کر اعترض کیا بلکہ اور حدیثیں بھی ہیں جنہیں نام کے "اہل حدیث" نہیں جانتے۔ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سیدنا علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں مِنَ السُّنَّةِ اَنْ لَا يُقْتَلَ حُرٌّ بَعْدَ۔ سنت یہ ہے کہ کسی آزاد شخص کو کسی غلام کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (بیہقی جلد ۸ ص ۳۴) بلکہ قتل کے علاوہ دوسری سزا دی جاتی ہے اگر اس نے بلا وجہ قتل کیا۔

۲۔ حضرت جریر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام بھاگ گیا۔ فَاخَذَهُ فَضْرَبَ عَنْقَهُ انہوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا (نسائی جلد ۲ ص ۱۶۸)

۳۔ ان ابابکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کانَا لَا يُقْتَلَانِ الْحُرُّ يُقْتَلُ الْعَبْدُ۔

سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آزاد شخص کو قتل نہ کرتے تھے جس نے کسی غلام کو قتل کیا ہوتا (بیہقی جلد ۱ ص ۳۳) بلکہ یہ فعل اگر بلا وجہ سرزد ہوتا تو قتل کے علاوہ دوسری سزا دیتے۔

۴۔ مَنْ قَتَلَ عَبْدًا كَيْفَ كَانَ كَمَرَةٍ فِي بَيْتٍ۔ ان کا اپنا فتویٰ یہ ہے کہ لَا يُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْعَبْدِ۔ لَا يُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْعَبْدِ کسی آزاد شخص کو کسی غلام کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔ آزاد شخص سے غلام کا قصاص نہ لیا جائے (ابوداؤد ص ۶۲) بلکہ دوسری سزا دی جائے (یاقوتی عالمگیری کا مندرجہ مسئلہ ان مقدس حدیثوں کی روشنی میں مرتب فرمایا گیا ہے۔ نام نہاد اہل حدیث چونکہ ان حدیثوں سے بالکل بے خبر ہیں اس لئے انہوں نے بنا بر حجت فتویٰ عالمگیری پر اعتراض کر دیا۔ یہ چار حدیثیں حدیث ابوداؤد ص ۶۲ "مَنْ قَتَلَ عَبْدًا قَتَلْنَا" کے مخالف و سوال: معارض ہیں تو ان مختلف حدیثوں میں تطبیق کس طرح ہوگی۔

محدثین کرام نے من قتل عبدا قتلنا کے جو معنی بیان کئے ہیں ان کے پیش نظر کسی جواب: قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا اور سب حدیثیں باہم منطبق ہو جاتی ہیں (۱) لفظ "قتلنا" جان سے مار دینے کی بجائے سزائے سخت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح چوتھی بار شراب پینے والے کے لیے حدیث شریف میں لفظ "فاقتلوه" وارد ہوا ہے اور اس کا معنی یہ نہیں کہ اس شرابی کو "جان سے مار دو" بلکہ معنی یہ ہیں کہ "اسے سخت سزا دو" کیونکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دفعہ ایک ایسا شخص لایا گیا۔ جس نے چار مرتبہ شراب پی تھی تو آپ نے اسے جان سے نہیں مارا بلکہ سخت سزا دی تھی (مشکوٰۃ ص ۳۱) تو جو شخص اپنے غلام کو بلا وجہ قتل کرے گا اسے عند الاحناف قتل کی بجائے سخت سزا دی جائے گی۔

سوال: پھر اس جگہ "سخت سزا" کی بجائے لفظ "قتل" کیوں استعمال ہوا ہے۔

جواب: قتل غلام بلا وجہ کی سزا کو بطور زجر مجازاً قتل سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح قرآن مجید میں سیئۃ کی سزا کو سیئۃ کہا گیا ہے (شوری ۲۴) حالانکہ جرم کی سزا عدالت

انعام پر مبنی ہونے کی وجہ سے سیۃ نہیں ہوتی بلکہ حسنة ہوا کرتی ہے۔ (۲) عبدا سے مراد وہ آزاد شخص ہے جو پہلے غلام تھا پھر آزاد کیا گیا آزادی کے بعد اگر اسے اس شخص نے قتل کر دیا۔ جس کا وہ پہلے غلام تھا تو قاتل کو بطور قصاص قتل کرنا درست ہے کیونکہ اس نے جسے قتل کیا ہے وہ اب اس کا غلام نہیں بلکہ آزاد شخص ہے۔ آزاد ہونے کے بعد اگرچہ وہ شخص حقیقتاً غلام نہیں رہا لیکن نسبت سابقہ کا لحاظ رکھ کر اسے بطور مجاز غلام کہنا صحیح ہے۔ جس طرح طلاق دینے والے جب اپنی بیویوں کو طلاق دے کر نکاح سے خارج کر دیتے ہیں تو وہ ان کے حقیقتاً خاوند نہیں رہتے مگر انہیں قرآن مجید نے بلحاظ نسبت سابقہ "خاوند" کہا ہے (ازواجہن البقرہ ع ۳۰) یونہی خاوندوں کے مرنے کے بعد ان کی بیویوں کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور وہ حقیقتاً "بیویاں" نہیں رہتیں لیکن قرآن مجید سورۃ النساء ع ۲ میں انہیں بطور مجاز بلحاظ نسبت سابقہ بیویاں (ازواجکم) کہا گیا ہے۔ (حاشیہ سندھی برنسائی جلد ۲ صفحہ ۲۴)

(۳) وہابیہ کی جہالت ملاحظہ ہو کہ حدیث مذکور کی بابت ان کے اپنے مولویوں نے جو کچھ لکھا ہے۔ یہ اس سے بھی بے خبر ہیں چنانچہ وہابی مولوی وحید الزمان نے لکھا ہے کہ "اکثر علماء کے نزدیک یہ حدیث (من قتل عبداً قتلناہ) منسوخ ہے وہ کہتے ہیں۔ آزاد شخص غلام کے عوض قتل نہ کیا جائے گا۔ اور دلیل اس کی آیت قرآنی ہے الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (سورۃ البقرہ ع ۲۴) اور یوں نہیں فرمایا گیا الْحُرُّ بِالْعَبْدِ اور اس حدیث کو زجر اور تشدید اور تخویف پر محمول کیا ہے تاکہ لوگ غلاموں کو قتل کرنے سے باز رہیں (لغات الحدیث جلد ۲ صفحہ ۲۳) فتویٰ حسن (لا یقتل حر بعبداً) کو بھی اس حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے کیونکہ اگر منسوخ نہ ہوتی تو وہ اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دیتے (ابوداؤد حاشیہ ۴۲)

ابوداؤد کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ حسن نے جو حدیث "من قتل عبداً" روایت کی ہے بعد میں انہیں یہ حدیث بھول گئی تھی۔ بنا بریں انہوں نے اس کے خلاف فتویٰ دیا اگر انہیں وہ حدیث یاد ہوتی پھر اس کے خلاف فتویٰ دیتے تو البتہ اسے دلیل نسخ

قرار دیا جاسکتا تھا لیکن یہاں یہ صورت نہیں۔

جواب: دعویٰ نسیان صرف مبنی بر گمان ہے ظاہر یہ ہے کہ حضرت حسن بھٹو نے نہیں بلکہ انہوں نے حدیث مذکور کا وہی مطلب لیا جس کا اوپر ذکر ہوا اور جسے اکابر امت

نے پسند فرمایا۔ وہابیہ پر تعجب ہے کہ نسیان کے مدعی کی تقلید جامد تو بلا تامل کر لیتے ہیں لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک بتاتے ہیں (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۱۶۹) حالانکہ وہ اس تقلید جامد کے سبب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی ان روایات و معمولات کی مخالفت کے مرتکب ہوتے ہیں جن کا بحوالہ بیہقی (جلد ۸ ص ۳۴۳-۳۴۴) ذکر کیا جا چکا ہے۔

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے ؟

اعتراض: فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اگر قاضی چوری کے جرم میں کسی کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کرے لیکن صاحب مال چور کو اپنا مال ہبہ کر دے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (جلد ۲ ص ۱۸۴ سطر ۶)

حالانکہ حدیث میں ہے۔ حضرت صفوان بن امیہ کی چادر چوری ہو گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ حضرت صفوان نے چور کے حق میں سفارش کی تو آپ نے فرمایا یہ (معافی) میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں دی۔ (ابوداؤد)

الجواب اولاً: وہابیہ نے اس جگہ حسب عادت بہت بڑا ظلم کیا اور فتاویٰ عالمگیری کے اہم جملہ سئلہا اٰینہ کا ترجمہ حذف کر دیا۔ حالانکہ اس کے بغیر عبارت فتاویٰ کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہو سکتا۔ سئلہا اٰینہ کا مطلب یہ ہے کہ مالک نے چوری کا مال صرف زبانی طور پر ہبہ نہیں کیا بلکہ وہ مال چور کے حوالے بھی کر دیا تاکہ چور مال کا صحیح طور پر مالک بن جائے۔ کیونکہ قبضہ کے بغیر ہبہ میں ملکیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ (تفصیل آگے آئے گی)

ثانیاً: فتاویٰ عالمگیری کے اس مسئلہ کو حدیث صفوان کے ذکر کردہ ترجمہ کے مخالف بتانا وہابیہ کے ناقص العقول ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ فتاویٰ میں جو صورت ذکر کی گئی ہے۔ اس

میں مال ہبہ کرنے اور سپرد کرنے کا ذکر ہے اور ترجمہ حدیث میں صرف سفارش کرنے و معافی دینے کا ذکر ہے۔ یہ دونوں صورتیں الگ الگ ہیں۔ ہبہ کرنے و سپرد کرنے سے چور کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور صرف سفارش کرنے و معاف کرنے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی لہذا پہلی صورت میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ اور دوسری صورت میں لازماً کاٹا جائے گا۔ وہاں ہبہ نے جو صورت حدیث صفوان کی بیان کی ہے وہ صورت فتاویٰ عالمگیری میں بھی موجود ہے۔ مگر انہیں اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔ ملاحظہ ہو۔ **لَوْ اَصْرَا الْاِصَامُ بِقَطْعِ سَارِقٍ فَعَفَا الْمَسْرُوقُ مِنْهُ كَانَ عَفْوَةً باطلاً** اگر امام نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد صاحب مال نے چور کو معاف کر دیا تو یہ معافی باطل ہوگی (اور چور کا ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا) ص ۱۷۱، جلد ۲۔

حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ حضرت صفوان نے کہا **هُوَ عَلَيَّهِ** یہ چادر چور **سوال:** پر صدقہ ہے (مشکوٰۃ ص ۳۱۳) اور ہبہ کی طرح صدقہ سے بھی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ پھر ہاتھ کیوں کاٹا گیا؟

ہبہ کی طرح صدقہ میں بھی قبضہ شرط ہے قبضہ کے بغیر نہ ہبہ تام ہوتا ہے نہ صدقہ۔ **جواب:** حضرت صفوان نے **هُوَ عَلَيَّهِ صَدَقَةٌ** تو کہا لیکن چادر اس کے سپرد نہ کی۔ لہذا ملکیت ثابت نہ ہوئی تو ہاتھ کاٹا گیا۔ یہ جواب سمجھنے کے لیے درج ذیل حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال شریف سے کچھ پہلے اپنی **پہلی حدیث:** صاحبزادی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا **اِنِّي كُنْتُ نَحَلْتُكَ مِنْ مَالِي جَدًّا اَوْ عَشْرِينَ وَسُقَافًا لَوْ كُنْتُ جَدًّا ذَبِيًّا وَاخْتَرْتُ لَكَ** **كَانَ لَكَ فَاِنَّمَا هُوَ الْيَوْمَ صَالٌ دَارِثٌ**۔ پیاری بیٹی میں نے تجھے اپنے مال میں سے بیس وستی آمدنی والے کھجور کے درخت ہبہ کیے تھے اگر تو اس پر قبضہ کر لیتی تو وہ تیری ملک ہو جاتے وہ آج سب وارثوں کا مال ہیں (یعنی جلد ۶ ص ۱۷۱ مؤطا امام محمد ص ۲۶۷ ریاض نفیۃ جلد ۱ ص ۱۷۱) **دوسری حدیث:** سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ **لَا تَحْلُ الْاَلْسُنُ**

حازة و قبضه۔ بربہ و صدقہ صرف اس شخص کے لیے حلال ہے جس نے اپنے پاس جمع کیا اور قبضہ کیا (البدایہ فی تخریج احادیث الہدیۃ ص ۳۳)

ساداتنا عثمان غنی ابن عمر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے تھے۔
تیسری حدیث: لَا تَجُوزُ صَدَقَةٌ حَتَّى تُقْبَضُ جب تک صدقہ پر قبضہ نہ کیا جائے جائز نہیں
 ہوتا (بیہقی ص ۱ جلد ۶)

ابو سلمہ بن عبدالرحمن روایت فرماتے ہیں کہ جب حضرت صفوان کی چادر
چوتھی حدیث: چوری ہوئی فَأَمْتَيْقَطَ نَصَاحٌ بِهِ فَأُخِذَ تُوْفُورًا جَاگ پڑے اور چلائے تو
 لوگوں کے تعاون سے چور پکڑ لیا گیا (ابوداؤد ص ۴۳ جلد ۲)

پہلی تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بربہ و صدقہ کے تام ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے۔
 بغیر قبضہ کے بربہ و صدقہ تام نہیں ہوتا اور اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور چوتھی حدیث
 سے ظاہر ہوا کہ حضرت صفوان نے چور سے چادر لے لی تھی۔ اور جب ہاتھ کاٹنے کا وقت آیا تو
 انہوں نے صرف زبان سے هُوَ عَلَيَّهِ صَدَقَةٌ کہا مگر چور کے حوالے نہیں کی تو اس کی ملکیت
 ثابت نہ ہوئی لہذا بتقاضائے قانون شریعت اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

نیز حدیث مذکور بسبب مضطرب ہونے کے لائق احتجاج نہیں کیونکہ
حدیث مضطرب: بعض روایات میں یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا بیان کیا گیا ہے اور بعض میں

مدینہ طیبہ کا (نسائی جلد ۲ ص ۲۵۴-۲۵۵) بعض میں سَرُوقٌ بُرُودَةٌ کے الفاظ مذکور ہیں اور
 بعض میں اِخْتَلَسَهَا کے۔ اور حدیث سے ثابت ہے کہ مختلس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا (ابوداؤد
 ص ۲۱۳ جلد ۲) اور بعض میں هُوَ عَلَيَّهِ صَدَقَةٌ (یہ چادر اس پر صدقہ ہے) آیا ہے اور بعض
 میں قَدْ تَجَاوَزَتْ (میں نے درگزر کی) اور بعض میں اَنَا اَبِيْعُهُ (میں اس سے بیچ دیتا ہوں)
 یونہی بعض میں ہے کہ حضرت صفوان چوری کے وقت چادر پر سوتے ہوئے تھے اور بعض میں
 ہے کہ وہ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تھے (بیہقی ص ۲۴۵ ص ۲۴۶)

جب الفاظ حدیث میں اس قدر اختلاف ہے کہ ان میں تطبیق نہیں ہو سکتی تو وہابیہ کا اس کی آڑ لے کر فتاویٰ عالمگیری کے اس مسئلہ پر معترض ہونا جو احادیث معتبرہ رجیح سے ثابت ہے کتنی بڑی حماقت و جہالت ہے۔ کیا ان جہلاء کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کرنا محدثین کرام کی توہین نہیں؟

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اعترض: فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ غیر شادی شدہ عورت زنا کرے تو اس کو بطور سزا شہر سے نکالنا جائز نہیں (جلد دوم ص ۱۲۶)

حالانکہ حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر باکرہ غیر شادی شدہ عورت غیر شادی شدہ مرد سے زنا کرے تو انہیں سو سو درے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا جائے (مسلم)

اس جگہ بھی وہابیہ نے جھوٹ بولا اور ظلم کیا جو عبارت فتاویٰ عالمگیری میں **الجواب:** مکھی ہوئی ہے اسے نقل نہیں کیا اور جسے نقل کیا ہے وہ فتاویٰ میں موجود

نہیں۔ اصل عبارت فتاویٰ عالمگیری کی یہ ہے لَا يَجْمَعُ بَيْنَ جِلْدٍ وَرَجْمٍ فِي الْمُحْصَنِ وَلَا بَيْنَ جِلْدٍ وَنَقْيٍ فِي الْبَكَرِ وَإِنْ رَأَى الْإِمَامُ فِي ذَلِكَ مَصْلَحَةً غَرَبَ بِقَدْرِ مَا يَرَى وَذَلِكَ تَعْزِيرٌ وَسِيَّاسَةٌ لَا حُدُودَ - یعنی اگر زانی محسن (شادی شدہ) ہو تو اسے صرف سنگسار کیا جائے گا کوڑے نہ مارے جائیں گے۔ اور اگر محسن (شادی شدہ) نہیں تو اسے حد کے طور پر صرف کوڑے مارے جائیں گے اور شہر بدر کرنے میں اگر امام المسلمین کو مصلحت نظر آئے تو وہ کوڑے مار کر حسب منشا بطور تعزیر و سیاست شہر بدر بھی کر سکتا ہے۔

(ص ۱۲۶ جلد ۲ سطر ۳۱، ۳۲)

معلوم ہوا کہ زانی غیر محسن کو بطور سزا شہر بدر کرنے کو فتاویٰ عالمگیری نے ناجائز نہیں کہا بلکہ جائز کہا ہے اور اس سزا کا نام حد کی بجائے تعزیر رکھا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید

میں زانی غیر محسن کی حد صرف تنو کوڑے بیان کی گئی ہے شہر بدر کرنے کو قرآن مجید نے حد کا جزو قرار نہیں دیا۔ (سورۃ النور ع ۱۱) حنفی علماء نے قرآن و حدیث میں فرق مراتب کا لحاظ رکھ کر اس سزا کا نام حد رکھا ہے جسے قرآن مجید نے بیان فرمایا اور اس سزا کو تعزیر کہا ہے جسے حدیث شریف نے ذکر فرمایا۔ غیر مقلد وہابیہ صرف نام کے اہل حدیث ہیں ان بیچاروں کو نہ قرآن و حدیث کی سمجھ ہے نہ فقہ کی نہ ان میں فرق مراتب کی اہمیت رکھتے ہیں۔ حالانکہ علماء پر لازم ہے کہ اصول شرعیہ میں فرق مراتب کا لحاظ رکھ کر گفتگو کیا کریں۔

۱۔ فرق مراتب نہ کنی زندیقی

بلکہ حدیث شریف سے صراحتاً ثابت ہے کہ شہر بدر کرنا حد نہیں۔ اس کے علاوہ ایک دوسری سزا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ **اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَىٰ فِيمَنْ زَنَىٰ وَّلَمْ يُحْصِنْ بِنَفْسِيْ عَامًا وَّاَقَامَةَ الْحَدِّ عَلَيْهِ** کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی غیر محسن پر دو سزاؤں کا فیصلہ فرمایا سال بھر کے لیے شہر بدر کرنا اور حد لگانا۔ بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱ معلوم ہوا شہر بدر کرنے اور حد لگانے میں فرق ہے۔ یہ دونوں الگ الگ سزائیں ہیں ان میں اتحاد نہیں مغایرت ہے کیونکہ حدیث مذکور میں **اِقَامَةَ الْحَدِّ عَلَيْهِ** کا نفی عام پر عطف فرمایا گیا ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔ اگر شہر بدر کرنا حد ہی ہوتا تو اس پر ”اقامة الحد“ کا عطف نہ کیا جاتا۔ پتہ چلا کہ جو کچھ اس حدیث نے ثابت فرمایا ہے وہی کچھ فتاویٰ عالمگیری نے بیان کیا ہے۔ یعنی شہر بدر کرنا حد کے علاوہ دوسری سزا ہے اور حد صرف تنو کوڑے لگانے کا نام ہے۔ اگر وہابیہ کو اس حدیث کا علم ہوتا تو فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض نہ کرتے۔ مگر افسوس کہ باوجود جہلار ہونے کے خود کو زمرہ علماء میں شامل سمجھتے ہیں۔

۲۔ آنکس کہ نداند و بدانند کہ بدانند

در جہل مرکب تا ابد بمانند

حنفی مذہب کی عمدگی؛ بعض حدیثوں میں لفظ تعزیر یا لفظ نفی جو وارد ہوا ہے۔

اس کے دو معنی بیان کئے جاتے ہیں (۱) زانی و زانیہ کو جلا وطن کرنا (۲) ان دونوں کو قید خانے میں بند کر دینا۔ پہلے معنی پر وہابیہ کا اصرار ہے اور دوسرا معنی مرتبیں فتاویٰ عالمگیری کے ہاں مختار ہے (جلد ۲ ص ۱۴۷) اگر پہلے معنی پر عمل کر کے زانی و زانیہ کو ملک سے باہر نکالا جائے تو ان کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ بگڑ جائیں گے۔ اپنے ملک میں خویش و اقارب اور واقف کاروں کی وجہ سے بار بار اس حرکتِ خبیثہ کا ارتکاب نہیں ہو سکتا اور ملک سے باہر نکال دیتے جائیں تو یہ بندشیں اور رکاوٹیں ختم ہو جائیں گی اور عصمتِ فروشی و عصمتِ دی کے لیے دونوں بالکل آزاد ہو جائیں گے (العیاذ باللہ) اور اگر دوسرے معنی پر عمل کر کے دونوں کو اپنے ہی ملک کے قریبی قید خانہ میں بند کر دیا جائے مرد کو مردانہ وارڈ میں اور عورت کو زنانہ وارڈ میں۔ تو اس گھناؤنے جرم کے دوبارہ ارتکاب سے دونوں محفوظ ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ حنفی مذہب پر جس طرح آج سے کئی سو سال پہلے سے عمل ہوتا رہا ہے یونہی آج بھی اس مذہبِ مہذب پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ بخلاف وہابی مذہب کے کہ وہ جس صدی میں انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی جلی شرارت کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ اس صدی میں بھی اس پر عمل کرنا ممکن نہیں۔

اعتراض: فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ "کوئی شخص کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کرتا ہے وہ انکار کرتی ہے کہ نکاح نہیں ہوا۔ یہ اسے سو درہم دینے کے آمادہ کرتا ہے کہ تو نکاح کا اقرار کر لے تو اس کے اس دھوٹے، اقرار سے جو شاہدوں کے روبرو ہوا۔ حنفی مذہب میں سچ بچ نکاح ہو جائے گا اور ان دونوں کو آپس میں مجامعت کرنی وغیرہ جائز ہوگی (جلد ۲ ص ۲۱ مطبوعہ مصر)

حالانکہ حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لاتے ہو تم میں سے کوئی دوسرے کی بہ نسبت دلیل و حجت پیش کرنے میں زیادہ زبان آور ہو اور میں اس کی زبان سن کر اس کے مطابق فیصلہ کر دوں تو وہ بھائی کے حق کو بہ گز قبول نہ کرے کیونکہ میں اسے آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں (بخاری)

الجواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض پیش گوئیوں میں فرقہ ضالہ وہابیہ کے متعلق ”سفہار الاحلام“ کا لفظ ذکر فرمایا ہے (نسائی جلد ۲ ص ۱۶۳) یعنی وہ لوگ ناقص العقل ہوں گے۔ فتاویٰ کے اس مسئلہ کو حدیث مذکور کے مخالف بتانا ”سفہار الاحلام“ میں داخل ہونا ہے۔ اس مسکن فی العلم نے نہ حدیث کو سمجھا ہے نہ فتاویٰ عالمگیر کو۔ (۱) فتاویٰ میں دعویٰ نکاح کا ذکر ہے اور حدیث میں دعویٰ مال کا۔

(۲) فتاویٰ میں دعویٰ کو شہادت کے ساتھ ثابت کرنے کا ذکر ہے اور حدیث میں شہادت کا ذکر ہرگز نہیں بلکہ اس امر کی تصریح ہے کہ دو شخصوں نے مال وراثت میں جھگڑا کیا تھا۔ اور دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہ تھے (مشکوٰۃ ص ۳۲۷)

(۳) فتاویٰ میں دعویٰ نکاح کے ساتھ عورت کو درہم دے کر راضی کر لینے کا ذکر ہے اور حدیث میں دوسرے فریق کو کچھ دے کر راضی کرنے کا ذکر نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مال کا جھوٹا دعویٰ کرے اور اپنی زبان آوری کے سبب قاضی اسلام سے اپنے حق میں غلط فیصلہ کرانے میں کامیاب ہو جائے تو اس غلط فیصلے سے حاصل کیا ہوا مال اس کے حق میں حلال نہیں ہوگا۔ حرام ہی رہے گا قاضی کا فیصلہ اس حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔

لیکن عبارت فتاویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت غیر منکوحہ پر نکاح کا جھوٹا دعویٰ کرے اور گواہوں کی موجودگی میں عورت کو درہم دے کر اقرار نکاح پر رضا مند کرے اور قاضی ان کے نکاح کا فیصلہ کر دے تو وہ دونوں اگرچہ قبل ازیں میاں بیوی کے رشتہ میں منسلک نہ تھے۔ لیکن قاضی کے فیصلہ کے بعد رشتہ زوجیت میں منسلک ہو جائیں گے اور قاضی کا فیصلہ انشاء نکاح کا فائدہ دے گا۔ کیونکہ نکاح میں جو کچھ ضروری ہوتا ہے یا عام طور پر پایا جاتا ہے وہ سب کچھ صورت مفروضہ میں پایا گیا۔ (۱) نکاح خواں بھی ہے یعنی قاضی اسلام۔ (۲) حق مہر بھی ہے یعنی وہ درہم جن پر عورت کو رضا مند کیا گیا (۳) گواہ بھی ہیں یعنی وہ دو شخص جنہیں قاضی کے سامنے پیش کیا گیا (۴) عورت مرد کی رضا مندی بھی ہے کیونکہ مرد پہلے راضی تھا

اور عورت درہم لے کر راضی ہوگئی اور انشاءً نکاح فیصلہ قاضی اسلام کے وقت دونوں رضامند تھے۔

یہ صورت دعویٰ مال میں نہیں بن سکتی۔ کیونکہ قاضی گواہوں کی موجودگی میں مرد عورت کی رضامندی سے دونوں کا نکاح تو کبر سکتا ہے مگر مال کے جھوٹے مدعی کے لیے محض اس کی زبان آوری سے کسی کا مال حلال نہیں کر سکتا۔ بنا بریں مسئلہ مذکورہ کے آخر میں لکھا ہے۔ **وَإِلَّا لَا يَتَعَقَدُ النِّكَاحُ وَلَا يُسْعَفُ الْمَقَامُ مَعَ زَوْجِهَا**۔ اگر یہ کارروائی گواہوں کے بغیر کی گئی تو نہ نکاح منعقد ہوگا نہ اس عورت کا اس مرد کے ساتھ ایک جگہ رہنا درست ہوگا (فتاویٰ ص ۲۸۲) فتاویٰ کی اس عبارت سے چونکہ وہابی فریب کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ **بیوی کا دودھ:** اس لیے انہوں نے اسے ذکر نہ کیا بلکہ اس عبارت کو اس طرح پی گئے جس طرح سردار وہابیہ مولوی شمار اللہ امرتسری کے فتویٰ کے مطابق اس کے عقیدت مند اپنی بیویوں کا دودھ پی جاتے ہیں (فتاویٰ ثنائی جلد ۲ ص ۱۰۸)۔

کایہ فتویٰ سیدنا علی شیر خدا مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے **فتاویٰ عالمگیری:** درج ذیل فیصلہ کی روشنی میں مرتب فرمایا گیا ہے۔ ”آپ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر ایک عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کیا اور گواہ پیش کئے آپ نے بمطابق دعویٰ و شہادت گواہاں دونوں کے نکاح کا فیصلہ فرما دیا۔ اس پر عورت نے عرض کی **إِنْ كُنْتُ بَدَأْتُ يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنِينَ فَرَّوْخِي** ما سے امیر المؤمنین اگر فیصلہ یہی ہے تو پھر آپ میرا اس مرد سے نکاح کر دیجئے (تاکہ ہم رشتہ زوجیت میں سچ منسلک ہو جائیں) آپ نے فرمایا **شَهِدَاكَ زَوْجًا** دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا ہے (حاشیہ بخاری ص ۱۰۴) یعنی گواہوں کی موجودگی میں جو فیصلہ ہوا ہے۔ اس میرے فیصلے کے بعد اب جدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

شیر خدا: اگر کوئی وہابی بسبب خارجی ہونے کے حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ

نہیں مانتا تو اس پر ہزار تہن - ہم تو حنفی سنی ہیں - ہم اسے بدل و جان قبول کرتے ہیں کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا -

ع: انا ذار الحکمة و علیٰ بابہا میں حکمت و دانائی کا گھر ہوں علی اس کے دروازہ ہیں (مشکوٰۃ ص ۵۴۳)

ع: اَقْضِيَ اُمَّتِي عَلِيًّا ميري امت کے سب سے اعلیٰ قاضی علی ہیں (الریاض النضرہ) ص ۲۷۲ ج ۲

ع: اللّٰهُمَّ اِدْرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَا د - الہی جدھر علی ہو ادھر حق ہو (ترمذی ص ۲۱۳)

اعتراف: فتاویٰ عالمگیری میں ہے جب خرید و فروخت میں ایجاب و قبول ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے اب کسی کو اختیار نہیں بیع توڑنے کا۔ (جلد ۲ ص ۵) حالانکہ حدیث میں ہے - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرید و فروخت کرنے والے ایک دوسرے پر بیع ثابت رکھنے یا توڑنے کا، اختیار رکھتے ہیں تا وقتیکہ جدا نہ ہو جائیں۔

فتاویٰ عالمگیری کے مندرجہ مسئلہ کو حدیث مذکور کے مخالف بتانا وہابیہ کی جہالت و سفاہت ہے - حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں - اَلْمُسْتَبَاعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا خَرِيدًا وَفُرُوحًا كَرْنِ وَالْوَلْوَلِ فِي حَيْثُ تَفَرَّقَا نَبَايَا جَاءَتْ تَبَّ تَمَّ اَنْبَسِي اَخِيَارُ هُوَ تَابَا (نسائی ص ۲۱۲ جلد ۲)

تفرق کی دو قسمیں ہیں ع: تفرق بالا قوال یعنی بائع و مشتری خرید و فروخت سے متعلق گفتگو مکمل کر لیں مقدار ثمن و مقدار مبيع پر رضامند ہو کر بیع تمام کر لیں تفرق کی اس قسم کے لئے جلسہ گفتگو کا بدلنا ضروری نہیں)

ع: تفرق بالا بدان یعنی دونوں میں سے کوئی مجلس خرید و فروخت سے اٹھ کر چلا جائے۔ پھر تفرق بالا بدان کی دو قسمیں ہیں ایجاب و قبول کے بعد دونوں میں سے کوئی مجلس سے اٹھ کر چلا جائے یا ایجاب کے بعد اور قبول سے پہلے - حدیث مذکور میں تفرق کی کسی خاص قسم کے لئے ہونے کی تصریح نہیں فرمائی گئی نہ تفرق بالا قوال کی نہ تفرق بالا بدان کی پہلی قسم کی نہ

دوسری کی۔ اور جب تک حدیث ہی سے یہ ثابت نہ کیا جائے کہ یہاں صرف تفرق بالابدان کی پہلی قسم مراد ہے تب تک حنفیہ پر اس حدیث کی مخالفت کا ناپاک الزام درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حنفی علماء (قدست سرارہم) نے ”مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا“ سے تفرق بالاقوال مراد لیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب تک بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) ایجاب و قبول مکمل نہیں کر لیتے اور بیع سے متعلق ان کی گفتگو پوری نہیں ہو جاتی تب تک ان میں سے ہر ایک کو رجوع کا اختیار ہے یعنی اگر بائع نے گفتگو میں پہل کی اور (مثلاً) کہا کہ میں یہ چیز پچاس روپے کی بیچتا ہوں تو جب تک مشتری اس چیز کو پچاس روپے کے عوض قبول نہیں کرتا تب تک بائع اپنی بات سے رجوع کر سکتا ہے۔ اور یوں ہی اگر مشتری نے گفتگو میں پہل کی اور (مثلاً) کہا کہ میں یہ چیز پچاس روپے کی خریدتا ہوں تو جب تک بائع اس چیز کو پچاس روپے میں بیچنا قبول نہیں کرتا تب تک مشتری کو اپنی بات سے رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن جب دونوں پچاس روپے پر رضامند ہو جائیں اور ایجاب و قبول سے متعلق ان کی گفتگو پوری ہو جائے تو اب رجوع کا کسی کو اختیار نہیں رہتا اور از خود دوسرے کی رضامندی کے بغیر بیع کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ نہ بائع نہ مشتری۔ کیونکہ اب دونوں میں تفرق بالاقوال ہو چکا ہے۔ اور تفرق کے بعد اختیار نہیں رہتا۔

جب حدیث نے تفرق کی کسی خاص قسم کی تصریح نہیں فرمائی تو حنفیہ نے تفرق
سوال: بالاقوال کے مراد ہونے کا قول کس دلیل سے کیا؟

حدیث کا لفظ ”الْمُتَبَاعَانِ“ تفرق بالاقوال کے مراد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔
جواب: کیونکہ حدیث نے ”الْمُتَبَاعَانِ“ کو اختیار دیا ہے اور خرید و فروخت کرنے والوں پر ”الْمُتَبَاعَانِ“ کا اطلاق حقیقتاً اسی وقت درست ہوتا ہے جبکہ وہ دونوں خرید و فروخت سے متعلق گفتگو کرنے میں مصروف ہوں کیونکہ جب ان کی یہ گفتگو مکمل ہو جائے اور ایک بات پمہ دونوں رضامند ہو جائیں تو اب ان پر ”الْمُتَبَاعَانِ“ کے لفظ کا حقیقتاً اطلاق نہیں

ہوسکتا۔ (منزل امام محمد ص ۲۶۱ ہدایۃ اخیرین ص ۵ شہ)

چونکہ حنفی علماء قرآن دانی و حدیث دانی میں سب پر فائق ہیں اس لیے وہ اپنے استدلال کو مضبوط کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے محاورہ میں بھی تفرق کو تفرق بالا قوال کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كَلِمَا مِنْ سَعْتِهٖ اِذْ مِمَّا بِيَوْمِ يَمُوتُ مَتَّعُوْا سَعَاتِكُمْ رٰسُوْلًا يَخْبَرُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورۃ النسا ع ۱۶) یہاں تفرق سے ابدانی تفرق مراد نہیں بلکہ "غلاقی" تفرق مراد ہے جو "بالا قوال" ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے اِنَّ بَنِي اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ مِلَّةً بَنِي اِسْرَائِيْلَ اَكْثَرُ مِلَّتُوْنَ فِيْ مَتْفَرِقٍ هُوَ كَمِثْلِ (مشکوٰۃ ص ۳۳) اس جگہ ابدانی تفرق مراد نہیں اعتقادی تفرق مراد ہے جو بالا قوال ہوتا ہے۔

تائید مزید: درج ذیل حدیثیں بھی حنفی مذہب کی متوید ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا يَجْلِسُ لَهُ اَنْ يُفَارِقَ خَشِيَةً اَنْ يَسْتَقْبِلَهُ۔ اس خوف سے مجلس بدلنا کہ ساتھی ابطال بیع کا مطالبہ نہ کرے درست نہیں (مشکوٰۃ ص ۲۴۳) مطالبہ اس چیز کا کیا جاتا ہے جو حاصل نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ بیع مکمل ہو جانے کے بعد خیار مجلس کسی کے لیے نہیں رہتا ورنہ ساتھی سے مطالبہ کرنے کے کیا معنی؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیار مجلس کو بعد اختیارات کو بیع ہونے کے بعد اختیار دیا (مشکوٰۃ ص ۲۴۳) پتہ چلا کہ بیع مکمل ہونے کے بعد کسی کے لیے خیار مجلس نہیں رہتا کیونکہ اگر اعرابی کے لیے خیار مجلس ثابت بالعقد ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسے اختیار نہ دیتے جو چیز کسی کے پاس پہلے موجود ہوتی ہے وہ اسے نہیں دی جاسکتی (فان تحصیل المحاصل مجال)

دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی وہابی مذہب بُری وہابی مذہب کی ناکامی: طرح ناکام ہو چکا ہے۔ حریم طیبین (زاد ہما اللہ شرفاً) میں خصوصاً اور دیگر ممالک عربیہ و عجمیہ میں عموماً حنفی مذہب ہی کی تحقیق کے مطابق حدیث مذکور

پر عمل ہو رہا ہے۔ اگر مشتری ایجاب و قبول کے مکمل ہونے سے پہلے خریداری چھوڑ دے تو اسے تاجر برادری میں بُرا نہیں سمجھا جاتا لیکن بیع مکمل ہونے کے بعد اگر کوئی مشتری خریدی ہوئی چیز واپس کرے تو اسے واپس نہیں لیتے۔ بلکہ بعض دفعہ مشاومت و مقابلت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ کیا وہابی تاجر اپنے گاہکوں کو اس کی اجازت دیں گے؟ کہ وہ ان کی دکانوں سے صبح سے شام تک مختلف اشیاء خریدتے رہیں اور شام کو سب چیزیں یہ کہہ کر واپس کر دیں کہ چونکہ ہم نے مجلس نہیں بدلی لہذا یہ خریداریاں ہمیں نا منظور ہیں۔ اگر تمام مسلمانوں پر وہابی مذہب کی حقیقت منکشف ہو جائے ان کی جہالتوں ضلالتوں حماقتوں اور سفاہتوں کو سب جان جائیں تو کوئی شریف اور کوئی عقلمند اس نامہذب مذہب کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو لیکن مسلمان بھائیوں کی سادگی سے وہابیہ (خذلہم اللہ تعالیٰ) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کئی ایک کو اپنے پُر فریب جال میں پھنسا رہے ہیں۔

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً دشمنان اولیا سے

وہابیوں کی اصلاح کا انوکھا طریقہ : سنا ہے کہ ایک وہابی مولوی کے دماغ میں کسی خناس نے یہ بات ڈالی کہ تو سردار وہابیہ ہے اور سب سے بڑا عالم ہے۔ تجھے ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کی قطعاً ضرورت نہیں۔ تو خود مجتہد مطلق ہے۔ اپنے اس منصب اجتہاد سے فائدہ اٹھا اور وہابیہ کو اجتہادی افادات سے نواز۔ بمطابق اس مشورہ و دوسوسہ کے سردار وہابیہ نے اجتہاد کیا کہ اگر کوئی شخص محکم ہو جائے اور جس کے ساتھ خود کو مشغول دیکھا اسے پہچانا بھی ہو تو اس کو چاہیے کہ فریق ثانی کو بھی آگاہ کر دے تاکہ وہ بھی غسل کرے۔ اگلے دن علی البیض کہی نوجوان مجتہد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضرت! گھ میں غسل کی تاکید کر دیں کیونکہ آج خواب میں ان کے ساتھ مشغولیت نظر آئی تھی۔ یہ سنتے ہی مجتہد صاحب نے

خناس پر ہزار لعنت بھیجی اور اپنے انوکھے اجتہاد سے رجوع کیا اور منصب اجتہاد پر فائز ہونے کا زعم باطل نو دو گیا رہ ہو گیا۔

یونہی اگر کوئی وہابی مرغیوں کا بڑا تاجر ہو۔ اسے کوئی جا کر کہے کہ میں سابق وفاقی وزیر چوہدری ظہور الہی کا رشتہ دار ہوں۔ مجھے اپنی لڑکی کی شادی کے لیے بیس ہزار مرغیوں کی ضرورت ہے۔ پیسے طے ہو جائیں ایجاب و قبول مکمل ہو جائے اور حسب عادت تجارت مرغیاں ذبح ہو جائیں ان کی کھالیں اترا کر جماعت اسلامی کے دفتر میں بھجوائی جانے لگیں اور تمام کام مکمل ہونے کے بعد مرغیوں کا خریدار یہ کہہ کر سب مرغیاں واپس کر دے کہ چونکہ تاہنوز ہماری مجلس گفتگو نہیں بدلی لہذا میں اس بیع کو توڑتا ہوں۔ تو اس ایک واقعہ کے ذریعہ سردار وہابیہ کی طرح اس وہابی تاجر کی بھی اصلاح ہو جائے گی اور ایک ہی سانس میں وہابی مذہب کو طلاقات ثلاثہ مغلطہ دے دے گا۔ اور حنفی مذہب کو بدل و جان قبول کرے گا۔ کیونکہ حنفی مذہب میں ایجاب و قبول کے بعد کسی کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں رہتا۔

اعراض ۲۳: اگر کوئی شخص اپنی زمین اس غرض سے کسی کو دے کہ وہ اس میں کاشت کرے اور مالک اس سے اپنا حصہ مقرر کرے تو جائز نہیں۔ عند ابی حنیفہ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص ۲۳۵ و ہدایہ) حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے کھجوروں کے درخت اور زمین یہود کو دے دی اس شرط پر کہ وہ اپنے اموال صرف کر کے کام کریں اور پھلوں کا نصف آپ کو دیں۔ (مسلم)

الجواب: وہابیہ نے خیبر کی کھجوروں کا جو مسئلہ حدیث شریف سے نقل کیا ہے یہ مسئلہ خراج مقاسمہ کا ہے۔ مزارعت کا نہیں اور جو مسئلہ فتاویٰ عالمگیری سے نقل کیا ہے یہ مسئلہ مزارعت کا ہے خراج مقاسمہ کا نہیں۔ خراج مقاسمہ میں اور مزارعت میں فرق ہے یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں ان دونوں کو فتاویٰ عالمگیری کے مختلف ابواب میں

بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ وہابیہ کی حماقت و جہالت ہے کہ دو مختلف چیزوں کو ایک سمجھ رہے ہیں اور اپنی کج فہمی پر رونے کی بجائے فتاویٰ عالمگیر پر اعتراض کر رہے ہیں۔
سخن شناس نئی نجد یا خطا اینست
فتاویٰ کی عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

خراج مقاسمہ؛ هُوَ اَنْ يَكُونَ الْوَجِبُ شَيْئًا مِنَ الْخَارِجِ نَحْوِ الْخُمْسِ وَالسُّدُسِ
وَمَا اشْبَهَ ذَلِكَ فَالْتَقِدِ يَرْفِيهِ مَفْوَضٌ اِلَى الْاِمَامِ لَكِنْ

لا يُؤَادُّ عَلَى نِصْفِ الْخَارِجِ یعنی خراج مقاسمہ یہ ہے کہ کافر پر اس کی زمین کی پیداوار میں سے پانچواں یا چھٹا یا اس کی مانند کوئی حصہ امام المسلمین اپنی مرضی سے مقرر کرے لیکن وہ نصف پیداوار سے زیادہ نہ ہو (جلد ۲ ص ۲۳۹-۲۴۰) دیکھتے یہ مسئلہ حدیث خمیر کے بالکل موافق ہے لیکن بے چارے وہابی فقہ و حدیث کی صحیح سمجھ کہاں سے لائیں؟

مزارعت؛ فِيهَا فَايِدَةٌ عِنْدَ ابْنِ حَنِيْفَةَ رَحِمَتْهُ اللهُ تَعَالَى وَعِنْدَ هَمَّاجَانِزَةَ
وَالْفَتْوَى عَلَى قَوْلِهَا الْحَاجَةُ النَّاسِ۔ اپنی زمین کسی کو بٹائی پر دینا (مزارعت)
امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک فاسد ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (جلد ۵ ص ۲۳۵) دیکھتے فتاویٰ عالمگیری نے مزارعت کو جائز کہا ہے اور اسے مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن وہابیہ (غضبہم اللہ) نے بددیانتی سے کام لے کر "عند ابی حنیفہ" کے بعد والی ساری عبارت حذف کر دی اور فتاویٰ عالمگیری سے عناد رکھنے کے جنوں میں غلط بیانی کی ہے

شرم نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مزارعت کا اصل مسئلہ معلوم کرنے کے لیے درج ذیل حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "ہم مزارعت کیا کرتے تھے اور اس میں کچھ حرج نہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ رافع بن خدیج نے بتایا کہ "ان النبی

صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عنها“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے
تو ہم نے مزارعت چھوڑ دی (مشکوٰۃ ص ۲۵۷)

۲: رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ
ہمارے کھیت تھے ہم میں بعض اپنی زمین اس طرح کرایہ پر دیتے کہ زمین کے اس ٹکڑے
کی پیداوار میری ہوگی اور اس دوسرے ٹکڑے کی پیداوار تمہاری ہوگی۔ فَوَبِمَا أُخْرِجَتْ
هَذِهِ وَلَمْ تُخْرَجْ ذَهَبُ فَتَاهُمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَكَّبَهُمِ الْيَسَاءُ هَوْتَا كَمَا كَرِهْتُمْ فِيهَا
ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی۔ بنا بریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مزارعت سے
منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۲۵۷)

۳: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ لَمْ يَدْرِ الْمَخَابِرَةَ فَلْيُؤْذَنْ بِحُرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ - جو شخص مزارعت نہیں چھوڑتا اسے
اگاہ کیا جائے کہ اس کی اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ ہے (ابوداؤد ص ۲۸۳)
۴: رافع بن خدیج نے بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ کریم میں ہم لوگ
مزارعت کیا کرتے تھے کہ میرے چچوں میں سے بعض نے آکر بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس نفع بخش مزارعت سے منع فرمادیا ہے اور ہمارے لیے زیادہ نفع آپ ہی کی
اطاعت میں ہے۔ آپ کے ارشاد کے الفاظ یہ ہیں مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيُزْرِعْهَا أَوْ لِيُزْرِعْهَا
أَخَاهُ وَلَا يَكْرِئَهَا بَثْلٍ وَلَا رِبْعٍ وَلَا بَطْعَامٍ مَسْمُومَةٍ جس کی ملک میں زرعی زمین ہو اسے چاہیے
کہ خود کاشت کرے یا مسلمان بھائی کو کاشت کے لیے مفت دے۔ کرایہ پر نہ دے نہ تھائی
کے عوض نہ چوتھائی کے عوض نہ معین طعام کے عوض (ابوداؤد ص ۲۸۳)

۵: عمرو بن دینار نے طاؤس سے کہا کہ آپ مزارعت ترک کر دیتے تو اچھا ہوتا۔ کیونکہ
لوگ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا مجھے
ابن عباس نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے علی الاطلاق نہیں روکا بلکہ

آپ نے فرمایا ہے۔ اِن يَمْنَعُ اَحَدُكُمْ اَخَاةً خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَوْجًا مَعْلُومًا
اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کے لیے زمین مفت دینا معاوضہ پر دینے سے بہتر ہے۔
مشکوٰۃ ص ۲۵۴، بٹائی پر زمین دینا بلحاظ شرط لازمہ جائز تو ہے لیکن زیادہ بہتری اس میں
ہے کہ مفت دی جائے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بٹائی پر زمین دینے کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض صورتیں
جائز ہیں اور بعض ناجائز۔ حدیث میں جس صورت کا ذکر فرمایا گیا وہ اور اس سے ملتی جلتی
ہر صورت ناجائز ہے کیونکہ اس میں بعض دفعہ ایک فریق بالکل محروم ہو جاتا ہے اور حدیث
۳ میں جو وعید ذکر فرمائی گئی ہے وہ اسی صورت سے متعلق ہے۔ جن علماء نے مزارعت کو
فاسد کہا انہوں نے احادیث عدم جواز کے پیش نظر فاسد کہا اور جنہوں نے اجازت دی
انہوں نے احادیث جواز کے پیش نظر اجازت دی۔ نہ مانعین نے حدیث کی مخالفت کی ہے
نہ مجوزین نے۔ تو ان میں سے کسی کے قول کو مخالفت حدیث بتانا جہالت و حماقت ہے
چونکہ حنفی علماء (قدست اسرارہم) کی نظر سب حدیثوں پر ہے اور لوگوں کی ضروریات و
حاجات پر بھی۔ اس لیے انہوں نے بعض شرائط کا لحاظ رکھ کر مزارعت کی اجازت دی
ہے اور اس جواز کو مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن وہابیہ کو جوش عناد نے ایسا اندھا کر دیا ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے علماء احناف کو جس قدر علم و فضل سے نوازا ہے وہ وہابیہ کو نظر نہیں آتا ہے

گر نہ بیند بروز شپہرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اعتراض ۲۵

ایک کافر مرد یا اس کی عورت مسلمان ہو کر دارالکرب سے دارالاسلام میں
آجائے تو ان کا آپس میں نکاح نہیں رہتا ٹوٹ جاتا ہے۔ رفاوی عالمگیری
جلد ۳ ص ۳۳۸ سطور ۱۱، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کو ہجرت کے چھ
سال بعد ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ روانہ کر دیا۔ آپ نے پہلا ہی نکاح بحال رکھا، نیانکاح

نہیں کیا۔“

دوبارہ رخصت لہم اللہ تعالیٰ کا یہ اعتراض بھی ان کے جاہل بالقرآن اور
الجواب: جاہل بالحدیث ہونے کی دلیل ہے کیونکہ فتاویٰ عالمگیری کا یہ مسئلہ صراحتاً

قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ
فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لِهِنَّ ذَاتُهُنَّ مَا نَفَقُوا وَاذْجُنَاحَ عَيْنِكُمْ
اَنْ تَنْكُوهُنَّ۔ (کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر آنے والی عورتیں، اگر تمہیں ایمان والیاں

معلوم ہوں تو انہیں کافروں کو (جو ان کے شوہر تھے) واپس نہ دو۔ یہ مسلمان عورتیں

انہیں حلال ہیں نہ وہ کافر مرد انہیں حلال ہیں۔ اور ان کے کافر شوہروں کو دوسے دو

جو ان کا خرچ ہوا اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان مہاجر عورتوں سے نکاح کر لو (المختار ص ۶۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اِذَا اسَلَمَتِ النَّصْرَانِيَّةُ

قَبْلَ زَوْجِهَا بِسَاعَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ يَعْنِي اِذَا اسَلَمَتِ النَّصْرَانِيَّةُ عِنْدَ اسَلَامِ لَانِ اسَلَمَتِ النَّصْرَانِيَّةُ

ہو جائے اور اس کا خاوند اسلام لانے سے انکار کرے یہ انکار اگرچہ ایک آن کے لیے ہو تو

اس پر وہ عورت حرام ہو جاتی ہے (بخاری جلد ۲ ص ۹۶)

ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ”ابوالعاص کفر کی حالت

میں مسلمان ہونے سے پہلے مدینہ منورہ میں حضرت زینب سے ملنے کے لیے آیا تو حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اَفِي بَنِيَّةِ الْكُرَيْمِيِّ مَثْوَاةٌ وَلَا يَخْلُصُ اِلَيْكَ فَاِنَّكَ

لَا تَحِلِّينَ لَهٗ۔ پیاری بیٹی! ابوالعاص کو اکرام کے ساتھ ٹھہرا پر وہ تجھ تک نہ پہنچے (پس

پردہ رہے) کیونکہ تو اس پر حلال نہیں (بیہقی جلد ۱ ص ۱۸۵)

آیتہ مذکورہ سے اور مندرجہ بالا حدیثوں سے وہی مسئلہ معلوم ہوا جسے فتاویٰ

عالمگیری میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ جب عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا خاوند کفر پر قائم رہے

اور مسلمان ہونے سے انکار کرے تو ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے خاوند ابوالعاص نے جب مسلمان ہونے سے انکار کیا اور سیدہ ہجرت کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو گئیں تو ان کا نکاح بھی ٹوٹ گیا۔ سیدنا ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوا کہ ایک آن کے لیے انکار کرنا بھی نکاح کو توڑ دیتا ہے اور ابوالعاص نے تو ۸ سال تک انکار کیا پھر اسلام قبول کیا (الجوہر النقی علی ابیہقی ص ۱۸۸) تو ان کا پہلے والا نکاح کس طرح برقرار رہ سکتا ہے۔ بنا بریں حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت فرماتے ہیں کہ ابوالعاص نے جب اسلام قبول کیا تو اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ زَادَ ابْنَتَهُ عَلِيَّ ابِي الْعَاصِ بْنِ الْوَيْعِ بِمَهْرٍ جَدِيدٍ وَنِكَاحٍ جَدِيدٍ نَبِيَّ اَكْرَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى اَبْنِي صَاحِبِ زَادِي حَضْرَتِ زَيْنَبِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا، كَوْنَتِي مَهْرًا اُورَسْتِي نِكَاحِ كَيْ سَا تَحْرُ ابُو الْعَاصِ كِي طَرَفِ لُوْثَا يَا (ترمذی جلد ۱ ص ۱۳۴ ابن ماجہ ص ۱۲۴ ابیہقی ص ۱۸۸)

اگر عورتوں کے مسلمان ہو کر ہجرت کرنے اور کافر خاوندوں کو کفرستان میں چھوڑ دینے سے فوراً نکاح نہ ٹوٹتا تو اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیت میں لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ارشاد فرما کر مسلمانوں کو ان عورتوں سے نکاح کی اجازت ہرگز نہ دیتا۔

اگر درخانہ کس است یک حرف بس است

سوال: وہابیہ کی ذکر کردہ حدیث کا حنفیہ کے ہاں کیا جواب ہے؟

پہلے اس حدیث کے اصل الفاظ سنئے پھر مطلب معلوم کیجئے۔ عن ابن عباس
الجواب: قَالَ رَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلِيَّ ابِي الْعَاصِ بْنِ الْوَيْعِ
بَعْدَ بَيْتِ سِنِينَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ دَلِمُ يُحَدِّثُ نَكَاحًا فِي رِوَايَةِ لَمْ يُحَدِّثُ شَيْئًا زَمْدِي ص ۱۳۴
حنفی علماء چونکہ حدیث دانی و فقہ دانی میں سب محدثین اور جملہ فقہاء پر فائق ہیں اس لیے ان نفوس قدسیہ نے اس حدیث کا ایسا مطلب بیان فرمایا کہ سب حدیثیں باہم منطبق ہو گئیں اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ رہا اور آیت کریمہ سے بھی سب کی موافقت ہو گئی۔ ان کا ارشاد ہے کہ ”بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ“ میں حرف ”ب“ بمعنی سبب ہے۔ اور مطلب

حدیث شریف کا یہ ہے کہ چونکہ سیدہ زینب پہلے ابوالعاص کے نکاح میں رہ چکی تھیں اس لیے جب ان کے اسلام کے اٹھارہ برس بعد اور ہجرت کے چھ برس بعد ابوالعاص نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسبب پہلے نکاح کے ابوالعاص کو دوسروں پر ترجیح دی اور سیدہ زینب کا دوبارہ نکاح ابوالعاص ہی سے کر دیا (وَلَمْ یَحْدَثْ نِكَاحًا وَشَیْئًا) اور جتنا مہر پہلے نکاح کا تھا اتنا ہی اب مقرر فرمایا۔ نکاح جدید میں کسی عطیہ وغیرہ کے لینے دینے کا اضافہ نہ فرمایا۔

اس تقریر سے جہاں سب حدیثیں باہم منطبق ہو گئیں وہاں کوئی حدیث متروک بھی نہیں ہوئی اور کسی حدیث کی آیت مذکورہ سے مخالفت بھی لازم نہ آئی۔

اگر حدیث کا وہ مطلب لیا جائے جسے وہابیہ نے فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض کرنے کے لیے اختیار کیا تو اس حدیث کی آیت مذکورہ سے نیز حدیث عمرو بن شعیب سے نیز حدیث ام المؤمنین عائشہ الصدیقہ سے (بیہقی جلد ۱ ص ۱۸۵) مخالفت لازم آئے گی۔ بلکہ ابن عباس کی یہ حدیث ان کی دوسری حدیث (مذکور فی البخاری جلد ۲ ص ۶۹) کے بھی مخالف ہو جائے گی۔ بڑا ہبوطائفہ مخذولہ وہابیہ کے تعصب کا کہ انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کی دشمنی میں قرآن مجید سے بھی منہ پھیر لیا اور احادیث شریفہ سے بھی۔ اور تعصب نے اتنا جوش مارا کہ بخاری شریف سے بھی منحرف ہو گئے۔

ات ارے منکر یہ بڑھا جوش تعصب آخر

بھیڑ میں ہاتھ سے کبخت کے ایمان گیا

اعتراض ۲۴: "اگر کسی لونڈی سے نکاح کرے اور اس کی آزادی کو مہر ٹھہرا دے تو وہ نکاح درست نہیں (عالمگیر جلد ۱ ص ۱۱۱ مطبوعہ دہلی) حالانکہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے خود ایسا نکاح کیا ہے۔"

الجواب: جھوٹے وہابیوں نے حدیث شریف کا حوالہ بالکل نہیں دیا۔ اور جو عبارت

فتاویٰ عالمگیری کی طرف منسوب کی وہ فتاویٰ میں موجود نہیں اور جو فتاویٰ میں موجود ہے وہ اس من گھڑت عبارت کے موافق نہیں ملاحظہ ہو۔ لَوْ قَالَ لِدَمْتِهِ اَعْتَقْتُكَ عَلٰی اَنْ تَتَزَوَّجْتَنِيْ وَيَكُوْنُ اَلْعَتَقُ مَدَاتِكَ فَقَبِلْتَ عَتَقْتَ كَمَا اِنْ وَفَتْ بِالشَّرْطِ وَزَوَّجْتَ نَفْسَهَا مِنْهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا وَلَا يَجِبُ عَلَيْهَا قِيْمَةٌ لِنَفْسِهَا۔ یعنی اگر آقا نے اپنی لونڈی سے کہا کہ میں تجھے بلا معاوضہ اس شرط پر آزاد کرتا ہوں کہ تو آزاد ہونے اور نکاح میں خود مختار ہونے کے بعد مجھ ہی سے نکاح کرے گی اور تیرا مہر نکاح اس آزادی کو سمجھا جائے گا۔ لونڈی نے یہ شرط منظور کر لی تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ پھر اگر اس نے آزاد ہونے کے بعد وعدہ پورا کیا اور اس مرد سے نکاح کر لیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا اور اگر عورت نے وعدہ خلافی کی اور آزاد کرنے والے آقا سے نکاح نہ کیا تو لونڈی ہونے کی حالت میں جو اس کی قیمت تھی وہ قیمت مرد کو ادا کرنی عورت پر لازم ہوگی (جلد ۱ ص ۳۰۹)

اس عبارت میں اور وہاں یہ مخذولہ کی ذکر کردہ عبارت میں بہت بڑا فرق ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ نیز یہ عبارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کے مخالف ہرگز نہیں۔ اگر کوئی نام نہاد اہل حدیث اس عبارت کو کسی حدیث کے مخالف سمجھتا ہے تو وہ اس حدیث کو (مع نام کتاب باب نہ صفحہ) ذکر کر کے فقہ حنفی کے اس ادنیٰ خادم سے جواب لے سکتا ہے لیکن ۷

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزماتے ہوئے ہیں

ساری مگر خدمت اسلام میں صرف کرنے والے نفوس قدسیہ کے بدترین مخالف وہابی ہفت روزہ نام نہاد "الاسلام" لاہور نے بھی شیخ نجدی علیہ ما علیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے فتاویٰ عالمگیری پر دو اعتراض کرنے کی شقاوت حاصل کی ہے۔ ایک اعتراض سیالکوٹ کے کسی مجرب نیم حکیم کی طرف سے ذکر کیا گیا ہے اور دوسرا کسی غیر معروف

نیم ملا عبداللہ عقیف کی طرف سے پہلا ۱۸ مئی ۱۹۷۹ء کی اشاعت میں اور دوسرا حکم جون کی اشاعت میں چھپا۔ ذیل میں پہلے، پہلے کا پھر دوسرے کا جواب بتوفیقہ تعالیٰ و عونہ عرض ہوگا اور نیم حکیم و نیم ملا دونوں کی جہالتوں و حماقتوں سے خود بخود پردہ اٹھتا جائے گا۔ (انشاء اللہ)

خدا ایسی قوت دے میرے قلم میں
کہ بد مذہبوں کو سدھارا کروں میں

اعتراض

فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ میں ہے ”زوجہ مفقودہ الخمر نوے برس انتظار کرے“
جواب: ”نوے برس انتظار کرے“ کے الفاظ فتاویٰ کے نہیں حکیم صاحب کے
منگھڑت ہیں۔ فتاویٰ کی اس عبارت یہ ہے۔ لَا يَفْرَقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَحَكْمَ
بِمَوْتِهِ بِمُضِيِّ تِسْعِينَ سَنَةً وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَإِذَا احْكَمَ بِمَوْتِهِ اعْتَدَّتْ امْرَأَتُهُ
عِدَّةَ الْوَفَاةِ مِنْ ذَلِكَ الْوَقْتِ ... فَإِنْ عَادَ زَوْجُهَا بَعْدَ مُضِيِّ الْمُدَّةِ فَهِيَ أَحَقُّ بِهَا۔
یعنی مفقودہ اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی تفریق نہ کرے۔ ہاں جب مفقودہ کی عمر نوے
برس ہو جائے تو اب اس کی موت کا فیصلہ کرے اسی پر فتویٰ ہے اور فیصلہ موت کے بعد
اس کی بیوی عدت و فوات (چار ماہ و دس دن) گزارے اور اگر نوے برس گزرنے کے بعد
عورت کا خاوند اس کے نکاح ثانی سے پہلے گھر واپس آجائے تو وہ اسی کی بیوی سمجھی جائے
گی (ص ۳ جلد ۲) معلوم ہوا خاوند کا ۹۰ برس کی عمر کو پہنچنا نکاح ٹوٹنے کا اصل سبب نہیں
بلکہ نکاح ٹوٹنے کا اصل سبب صرف یہ ہے کہ خاوند طلاق دے یا مرجائے۔ ۹۰ برس پر
فتویٰ صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ عموماً اس عمر کا آدمی مرجاتا ہے۔ بنا بریں اگر ۹۰ برس
کے بعد خاوند گھر آجائے تو یہ عورت بدستور اسی کی بیوی رہتی ہے۔ اور دوسری جگہ نکاح
کرنے کی مجاز نہیں ہوتی۔ فتاویٰ عالمگیری کا یہ فتویٰ قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول اکرم
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کے ہرگز مخالف نہیں اس لیے حکیم مذکور نے

بے تحاشا ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود اس فتویٰ کے خلاف نہ کوئی آیت پیش کی ہے نہ حدیث اور نہ ہی کسی دوسرے وہابی میں اس کے خلاف آیت و حدیث پیش کرنے کی ہمت ہے۔ اَدْعُو شُهَدَاءَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ سے

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اسے خُدا
لڑتے ہیں لیکن ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

البتہ ہم فتاویٰ عالمگیری کے فتویٰ کی تائید میں آیات مبارکہ بھی پیش کر سکتے ہیں اور

احادیث شریفہ بھی ملاحظہ ہوں۔

آیت ۷۱ وَالْمَخْضُوعَاتُ مِنَ النِّسَاءِ اور تم پر حرام ہیں شوہر دار عورتیں (النساء ۷۱) جن کے خاوند مفقود ہو جائیں وہ عورتیں پہلے کی طرح اب بھی شوہر دار ہیں جب تک انہیں طلاق نہیں ملتی یا خاوند نہیں مرتے تب تک وہ انہیں کے جہالہ عقد میں ہیں تو اس آیت کی رو سے ان سے نکاح درست نہیں۔

آیت ۷۲: بَيِّدَهُ عُقْدَةُ النِّكَاحِ نکاح کی گرہ صرف خاوند کے ہاتھ ہے (البقرہ ۷۲) مفقود الخیر بھی خاوند ہی ہے تو نکاح کی گرہ کو وہی کھول سکتا ہے۔ یعنی اس کے سوا کوئی دوسرا طلاق نہیں دے سکتا تو جب تک اس کے مرنے یا طلاق دینے کی یقینی خبر نہ پہنچے تب تک اس کی بیوی سے نکاح درست نہیں کیونکہ ابھی تک نکاح سابق کی گرہ نہیں کھلی۔ حدیث ۷۱: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الطَّلَاقُ بِيَدِ مَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ اسے لوگو طلاق کا مالک صرف خاوند ہے (طبہانی فیض القدر جلد ۲ ص ۲۹۳) مفقود الخیر جب خاوند ہے تو اس کی بیوی کو اس کے سوا کوئی طلاق نہیں دے سکتا تو خاوند کی موت یا طلاق کے بغیر اس سے نکاح درست نہیں۔

حدیث ۷۲: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ السلام والسلام نے فرمایا: امْرَأَةٌ الْمَفْقُودِ امْرَأَتُهُ حَتَّىٰ يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ مفقود کی عورت

جب تک بیان نہ آجائے (یعنی اس کی موت یا طلاق معلوم نہ ہو) اسی کی عورت ہے
(بیہقی جلد ۲۴۵ ص ۲۴۵)

حدیث ۳، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مفقود کی عورت کے متعلق فرمایا کہ
امْرَاةٌ اُبْتَلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ لَا تَنْكُحْ حَتَّىٰ يَأْتِيَهَا يَقِينٌ مَوْتَهُ وَهِيَ اَبْرَأُ عَوْرَتِ هِيَ جُو
مصیبت میں مبتلا کی گئی اس کو صبر کرنا چاہیے۔ دوسری جگہ نکاح نہیں کرنا چاہیے جب
تک موت کی یقینی خبر نہ آئے (بیہقی جلد ۲۴۵ ص ۲۴۵)

حدیث ۴، عن ابن مسعود وافق علياً على انّها تَنْتَظِرُ مَا بَدَأَ حضرت ابن
مسعود نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موافقت کی اور فرمایا کہ مفقود کی بیوی اس کی
موت تک انتظار کرے (الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ ص ۲۴۵)

مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کا راوی سوار بن مصعب اور محمد بن شریحیل دونوں
سوال: ضعیف ہیں (بیہقی ص ۲۴۵ درایتہ ص ۲۴۵ فتح القدر جدید ص ۲۴۵ جلد ۵)

جواب: جب تحقیق بالاسے معلوم ہو گیا کہ مغیرہ بن شعبہ کی حدیث کا مضمون آیات
قرآنیہ کے اور حدیث ۳ کے موافق ہے تو سند کے بعض رواۃ کے ضعیف
ہونے سے مضمون حدیث ضعیف نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ترمذی جلد ۱۳۳ ص ۱۳۳ اور مشکوٰۃ
ص ۲۴۵ میں اس حدیث کی سند کو لا یصح کہا گیا ہے جس کا مضمون سورۃ النساء ص ۴
آیت ۴ کے بالکل مطابق ہے اور صحیح ہے۔

سوال: سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک عورت نے اپنے
خاوند کی گمشدگی کی شکایت کی تو آپ نے اسے صرف چار برس انتظار
کرنے کا حکم دیا (بیہقی جلد ۲۴۵ ص ۲۴۵)

اس اعتراض کی صحت اس پر موقوف ہے کہ معترضین معتبر سند کے ساتھ
جواب: ثابت کریں کہ اس عورت کا خاوند گمشدگی کے وقت ۸۴ برس سے کم عمر

نی آپ فرماتے ہیں۔ لیس لڈنی قال عمر رضی اللہ عنہ بشیٰ یعنی فی امریۃ
 المفقودہ ہی امریۃ الغائبہ حتیٰ یا تبہا یقین موتہ اطلاقہا ونکاحہا باطل۔
 مفقودہ نجر کی بیوی کے متعلق حضرت عمر کا فیصلہ درست نہیں۔ جب تک موت یا طلاق
 کی یقین خبر نہ آئے تب تک وہ عورت بدستور مفقودہ کی بیوی ہے اس کا نکاح ثانی باطل
 ہے (یعنی جلد ۲۲۲، معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں اختلافی تھا اور حضرت علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلائل قوی تھے اس لیے حنفی علماء نے آپ کے قول شریف کے
 مطابق فتویٰ دیا۔ چونکہ حنفی علماء سب سے بڑے محدث اور سب سے بڑے فقیہ ہیں
 اس لیے ان کی شان کے لائق یہی ہے کہ اختلافی مسائل میں صرف وہی مسئلہ اختیار
 فرمادیں جسے قرآن و حدیث کی نصوص نے قوت بخشی ہو۔

حکیم صادق نے فتاویٰ عالمگیری پر طنز کرتے ہوئے ایک مثال دی
سوال: بے کہ ایک لڑکی کی ۱۸ سال کی عمر میں شادی ہوئی دو سال کے بعد اس
 کا خاوند گم ہو گیا تو اس کے بارے میں فتاویٰ عالمگیری کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ ۱۰ سال
 تک نساوند کا انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے پھر کسی مرد سے نکاح کر
 سکتی ہے اس وقت وہ ایک سو دس سال چار ماہ دس دن کی ہو جائے گی۔ (ملخصاً)
الجواب: سچائی دونوں سے محروم ہیں۔ اور بھجوائے خرد کا نام جنون اور جنون
 کا خرد۔ حکیم و صادق کہلاتے ہیں۔ کتب فتاویٰ میں آسان تر کتاب فتاویٰ عالمگیری
 ہے مگر حکیم بے چارے کی جہالت ملاحظہ ہو کہ اسے اس آسان کتاب کا یہ ایک مسئلہ
 بھی نہیں آتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کردہ ۹۰ برس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گمشدگی
 کے وقت سے ۹۰ برس شمار ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گمشدہ آدمی کی پیدائش کے
 وقت سے ۹۰ برس گنے جائیں گے۔ یعنی اگر گمشدگی کے وقت خاوند کی عمر ۸۶ برس تھی تو

اس کی بیوی ۴ برس انتظار کرے گی اور اگر ۸۸ برس تھی تو ۲ برس اور اگر ۸۹ برس تھی تو صرف ایک برس انتظار کرے گی۔ پھر عدت و فوات بمہ ماہ ۱۰ دن گزار کر نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہوگی۔

نادان حکیم نے نکاح ثانی کے وقت جو عورت کی عمر ایک سو دس سال چار ماہ دس دن بتائی ہے یہ عمر فتاویٰ عالمگیری کے مطابق متصور نہیں ہو سکتی ہے۔ "مفقود الخبر" کی بیوی کے متعلق سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشادات اور فیصلہ جات مذکور ہو چکے ہیں۔ اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فیصلہ زیادہ قوی اور موافق قواعد شرعیہ کے ہے اسی بنا پر حنفیہ نے اسی کو پسند کیا ہے مگر غیر مقلد و بابیوں کا ان میں سے کسی پر ایمان نہیں سب سے باغی ہیں نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔ اسی وجہ سے حکیم صادق نے فتاویٰ عالمگیری پر جاہلانہ تنقید تو کی مگر اپنا مذہب نہ بتایا کہ کیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس مسئلہ میں غیر مقلد و بابیوں کا کوئی مذہب نہیں چنانچہ ان کے میرسیانکوٹی نے واشگان الفاظ میں اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ میرسیانکوٹی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

ع: "اس امر یعنی نکاح زوجہ مفقود الخبر" کی تصریح نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ زمان نبوی میں ایسا کوئی واقعہ ہوا اور آثار صحابہ اور مذاہب مجتہدین اس میں مختلف ہیں اور زمانہ سلف میں اس امر میں کسی ایک قول بر اجماع بھی نہیں ہوا تو دلائل اربعہ میں سے صرف قیاس باقی رہ گیا۔ سو اس کی رو سے کسی خاص مיעاد کا تقریر علم شرعی نہیں ہو سکتا۔

ع: عورت کی حالت پر نطفہ کر کے لائق ضرر کالہی نذروری ہے جس کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی جاسکتی (جلد ۲ ص ۵۰)

ع: منقود کی زوجہ کو عہدہ کی زوجہ پر قیاس کرنا صحیح بنا ہے۔

کی نسبت بھی عورت کے مطالبہ کے وقت نسخ (نکاح) کا حکم دیا جاسکتا ہے اور انتظار کے لیے کوئی خاص میعاد ضروری نہیں (جلد ۱ ص ۱۷)

۴: ہماری (یعنی غیر مقلد وہابیہ کی) ناقص سمجھ میں یہی آتا ہے کہ حضرت عمر کا فیصلہ کوئی دائمی حکم نہیں۔ بلکہ حالاتِ زمانہ کے ماتحت اقتصادی تھا (جلد ۱ ص ۱۷) ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ غیر مقلد وہابیوں کے میرسیالکوٹی کا فتویٰ نہ حضرت عمر کے قول پر ہے نہ حضرت علی کے قول پر۔ نہ مغیرہ بن شعبہ کی روایت کردہ حدیث مرفوعہ پر ہے نہ قرآن مجید کی آیت والمحصنات من النساء پر۔ پھر تعجب ہے کہ یہ لوگ خود کو اہل حدیث یا کتاب و سنت کا پیروکار کس منہ سے کہتے ہیں ان کا علم و عمل تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انہیں اہل اہواء اور اصحابِ خواہشات کے نام سے موسوم کیا جائے۔

سوال: میاں بیوی دونوں جوان ہیں اس حالت میں خاوند گم گیا تو جوان عورت کے لیے خاوند کی عمر ۹ برس ہونے تک انتظار کرنا بہت مشکل ہے۔ فقہ حنفی میں اس مشکل کا علاج کیا ہے؟

الجواب: خواہشات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ قرآن مجید حدیث شریف اجماعِ امت اور قیاس شرعی سے ثابت شدہ مسائل و احکام کے مجموعہ کا نام فقہ حنفی ہے۔ بنا بریں علماء احناف نے اس مصیبت زدہ عورت کے لیے عفت صبر اور روزوں کی کثرت کو تجویز کیا ہے کیونکہ قرآن و حدیث نے اور اقوال صحابہ نے اسی علاج کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ **وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُفْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ** جو نکاح کی طرف کوئی راہ نہ پائیں وہ عفت سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے بے پرواہ کر دے (سورۃ النور غم)

مفقود الخبر کے طلاق دینے یا مرنے کی جب تک خبر نہیں آتی تب تک اس کی

بیوی نکاح ثانی کی طرف راہ نہیں پاتی تو اسے بمطابق اس آیت کے صبر و عفت سے کام لینا چاہیے۔ یہی اس کا قرآنی علاج ہے۔

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى ارشاد فرمایا يَا مَعْشَرَ الشَّيْطَانِ مِنْ اسْتِطَاعٍ
حضور اقدس مِنْكُمْ الْبَاءَةُ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغْضَى لِلْبَصْرِ وَأُخْصَنَ لِلْفَرْجِ
 وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ دِجَاءُ اے گروہ جو انان تم میں جسے نکاح کی
 طاقت ہو وہ نکاح کرے کہ نکاح پریشان نظری و بدکاری سے روکنے کا سب سے بہتر
 طریقہ ہے اور جسے نکاح ناممکن ہو اس پر روزے لازم ہیں کہ کسرِ شہوت نفسانی کر دیں
 گے (مشکوٰۃ ص ۲۴)

مفقود الخیر کی بیوی کے لیے جب نکاح ثانی ناممکن ہو گیا تو وہ بمطابق اس حدیث
 کے روزوں کی کثرت کرے یہی اس کا موافق سنت علاج ہے۔
 سیدنا علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں فَلَتُضَيَّرُ مَفْقُودُ الْخَيْرِ
 كِي بِيُوِي صَبْرًا كَرِي (بیہقی جلد ۲، ص ۲۲۶)

جو علاج کتاب و سنت سے ثابت ہو اس سے ہٹ کر وہابیہ کا دوسرے
 علاجوں کی تلاش میں سرگردان و حیران پھرنا تعجب خیز و حیرت انگیز ہے۔ غیر مقلد وہابی
 سوچیں اور سوچ کر بتائیں کہ جو عورت ابتداءً بلوغ سے معاذ اللہ جذام ابرص میں
 مبتلا ہو اور اس کے ساتھ ایسی کریہ المنظر بھی ہو کہ اسے کوئی شخص بحالت عدم
 جذام و برص بھی قبول نہ کرتا تو ایسی عورت کا صبر و عفت اور روزوں کی کثرت کے
 علاوہ کیا علاج تجویز کیا جاسکتا ہے؟ پھر جب مسئلہ مذکورہ میں حضرت شیر خدا
 نے زوجہ مفقود کو "فَلَتُضَيَّرُ" کہہ کر پابند صبر کر دیا ہے تو اب چون و چرا کی کیا
 گنجائش رہی؟ کیا کوئی وہابی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی ایک بال شریف کی
 بھی برابری کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

ایں خیال ست و محال ست و جنوں
تو پھر کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے بتائے ہوئے علاج سے گریز کر کے ادھ ادھ
منہ مارنے کا کیا فائدہ؟

اعتراض: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "تم امام سے جلدی نہ کرو جب وہ
تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ دلائل الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب رکوع کہے
تو تم رکوع کرو (صحیحین و مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۱۱) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سے
پہلے امام کی اقتداء میں نماز شروع کرنا جائز نہیں مگر فتاویٰ عالمگیری اسے جائز کہتا ہے۔
ملاحظہ فرمائیں۔

"اگر اس (مقتدی) نے امام کی نماز میں شروع کرنے کی نیت کی اور امام نے
ابھی تک نماز شروع نہیں کی اور وہ اس بات کو جانتا ہے تو جب امام نماز شروع کہے
گاتب اس مقتدی کی وہی نماز شروع ہو جاوے گی (جلد ۱ ص ۱۱۱)

الجواب: کج فہمی و بد سمجھی کا رونا رونے کی بجائے فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض
نام نہاد عبد اللہ عقیف نے نہ حدیث کو سمجھا ہے نہ فتاویٰ کو۔ اور اپنی
کر دیا کہ اس کا فلاں مسئلہ فلاں حدیث کے خلاف ہے (العیاذ باللہ) حدیث مذکور
نے تو حکم دیا ہے کہ امام کی تکبیر سے پہلے تکبیر نہ کہو اس کے دلائل الضالین کہنے سے
پہلے آمین نہ کہو اور اس کے رکوع سے پہلے رکوع نہ کرو۔ حدیث کا کوئی لفظ ایسا نہیں
جس کا یہ مطلب ہو کہ امام کے نماز شروع کرنے سے پہلے اس کی اقتداء کی نیت نہ کرو۔
اور فتاویٰ عالمگیری میں اس جگہ مسئلہ "نیت" کی بحث فرمائی گئی ہے ارکان نماز
شروع کرنے کی نہیں چنانچہ "الفصل الرابع فی النیۃ" کا عنوان قائم کر کے فتاویٰ
میں لکھا ہے۔ لَوْنُوۃُ الشُّرُوۡعِ فِی صَلٰوٰةِ الْاِمَامِ وَالْاِمَامِ لَمْ یَشْرَعْ بَعْدُ وَهُوَ

يَعْلَمُ بِذَلِكَ يَصِيرُ شَارِعًا فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ إِذَا شُرِعَ وَلَوْلَايَ -
 الشُّرُوعَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ عَلَى ظَنِّ أَنَّ الْإِمَامَ قَدْ شُرِعَ وَهُوَ كَمَا يَشُرِعُ
 لَمْ يَجْزِ (ج ۱ ص ۱۲۶) اس جیسی عبارت قاضی خاں اور کبیری شرح منیہ میں جی
 موجود ہے اس کا واضح تر اور نفیس تر مطلب "بہساہ شریعت" میں بدیں الفاظ
 ذکر فرمایا گیا ہے -

مسئلہ: مقتدی نے یہ نیت کی کہ وہ نماز شروع کرتا ہو اور جو اس امام کی نماز سے
 اگر امام نماز شروع کر چکا ہے جب تو ظاہر کہ اس کی نیت اسے نماز صحیح ہے اور اگر
 امام نے اب تک نماز شروع نہ کی تو دو صورتیں ہیں -
 (۱) اگر مقتدی کے علم میں ہو کہ امام نے ابھی نماز شروع نہ کی تو بعد شروع وہی
 نیت کافی ہے -

(۲) اور اگر اس کے گمان میں ہے کہ شروع کر لی ہے اور واقع میں شروع نہ کی
 ہو تو وہ نیت کافی نہیں (جلد ۳ ص ۱۲۶) پہلی صورت میں "وہی نیت کافی ہے" کی وجہ
 قاضی خاں نے اس طرح بیان فرمائی کہ لِأَنَّهُ مَا قَصَدَ الشُّرُوعَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ
 لِأَنَّ إِثْمًا قَصَدَ الشُّرُوعَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ إِذَا شُرِعَ مَقْتَدِي نَيْتَ فِي حَالِ
 شُرُوعِ كَرْنِ كِي نَيْتِ نَهَيْسِ كِي بَلْ كِي نَيْتِ يَهِي كِي هِي كِي جِبِ اِمَامِ نِمَازِ شُرُوعِ كَرَسِ هُوَ اِس
 كِي بَعْدِ مِي بَهِي شُرُوعِ كِي دُوں كَا - لَهْذَا اِس كِي وَهِي نَيْتِ كَانِي هِي دِجْلِدَا ص ۱۲۶ مَسْ
 اِفْتَاوِي الْعَالَمِيَرِي ۱ اور دوسری صورت میں "وہ نیت کافی نہیں" کی وجہ یہی ہے
 اس طرح مرقوم ہے کہ لِأَنَّهُ قَصَدَ الشُّرُوعَ فِي حَالِ فِي صَلَاةِ مَن نَيْسِ بِمُصَلِّ
 مَقْتَدِي نِي غَلَطِ نَهِي كِي بِنَا بِرِي نَيْتِ كِي هِي كِي نِي اِمَامِ كِي نِمَازِ اَبَهِي شُرُوعِ كَرْتَا هُوں -
 حَالَا نَكِي اِمَامِ نِي تُوَا بَهِي نِمَازِ شُرُوعِ نَهَيْسِ كِي اِس يَهِي "وہ نیت کافی نہیں" (ص ۲۹۳)
 مَجْرِي صَادِقِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِي اِنِي بَعْضِ مِي شِيْنِ كُو تِيُوں مِي چُونَكِي دِيَا مِيُوں كُو

”سفہا الاحلام“ کہا ہے یعنی بے عقل لوگ (نسائی جلد ۳ ص ۱۱۱) اس لیے ان کی عقلیں ناکارہ ہیں اور سوچ سے یکسر محروم ہیں بات کو الٹا سمجھنا ان کی فطرت میں داخل ہے۔ اگر فتاویٰ عالمگیری کا مطلب غلط نہ سمجھیں تو انہیں وہابی کون کہے سے

اُلٹی عقل کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

دے نجدیوں کو موت پر یہ بدادانہ دے

اعتراف ۲۹: ”گتے کی خرید و فروخت جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ ص ۱۱۱ ص ۱۱۲)“

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے گتے کی خرید و فروخت سے (مشکوٰۃ)

وہابیہ (خذلہم اللہ) صرف نام کے مسلمان نام کے اہل حدیث اور نام کے الجواب: مولوی ہیں نہ انہیں قرآن مجید کا علم ہے نہ احادیث شریفہ کا۔ اگر ان جاہلوں کو گتے کے متعلق وارد ہونے والی آیت اور حدیثیں معلوم ہوتیں۔ تو فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض نہ کرتے بلکہ وہابیت کے پُر فریب جال سے نکل کر اپنے مسلمان آباؤ اجداد کی طرح حنفیت کو بدل و جان قبول کر لیتے۔ لیجئے پہلے قرآن مجید کی آیت پھر چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

آیت: فَكُلُوا مِمَّا امْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ تَوْكَّأًا وَاَسْئَلُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ تَوْكَّأًا

حدیث ۱: ابن المغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ثُمَّ رَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ پھر شکاری گتے کی اور بکریوں کے محافظ کی رخصت دے دی (مسلم ج ۲ ص ۲۵)

حدیث ۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ إِذَا أُرْسِلَتِ الْكَلْبُ الْمَعْلَمُ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَأَخَذَ فَكُلْ جِب

تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سدھایا ہوا گنا شکار پر چھوڑے اور گنا اسے پکڑ لے تو ایسے شکار کا کھانا تیرے لیے جائز ہے (نسائی جلد ۲ ص ۱۶۲)

حدیث ۳۲: ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ كُنْتِ كِي قِيَمْتِ سے منع فرمایا (مشکوٰۃ ص ۱۶۱)

حدیث ۳۳: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِلَّا كَلْبِ صَيْدٍ شَكَرِي كُنْتِ كِي قِيَمْتِ سے منع نہیں فرمایا (نسائی جلد ۱ ص ۱۶۱)

حدیث ۳۴: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ دَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ حَضْرًا قَدْ سَلِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِي شَكَرِي كُنْتِ كِي قِيَمْتِ لِيْنِي كِي اِجَازَتِ دِي (مسند امام اعظم ص ۱۶۱)

معلوم ہوا کہ ابتداء اسلام میں گتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر مفید اور غیر مضر گتوں کے حق میں یہ حکم منسوخ فرما دیا گیا بلکہ جو گنا شکار کر سکتا ہے اس کے شکار کو بھی قرآن و حدیث نے حلال قرار دیا۔ علماء احناف کی نظر چونکہ قرآن مجید پر اور سب حدیثوں پر ہے اور مختلف حدیثوں میں تطبیق دینے کی بفضلہ تعالیٰ بہت بڑی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے فرمایا کہ جو کتے ضرر دیتے ہیں اور فائدہ نہیں دے سکتے ان کی خرید و فروخت بمطابق حدیث ۳۳ منع ہے اور جو ضرر نہیں دیتے فائدہ دیتے ہیں ان کے ساتھ خرگوش ہرن وغیرہ حلال جانوروں کا شکار کیا جاسکتا ہے ان کی خرید و فروخت بمطابق حدیث ۳۴ منع نہیں جائز ہے۔ جو کچھ ان حدیثوں سے ثابت ہوا ہے وہی کچھ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ وہابیہ نے دھوکا دینے کے لیے نقل عبارت فتاویٰ میں مجرمانہ خیانت کی ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

بَيْعُ الْكَلْبِ الْمُعَلِّمِ جَائِزٌ وَيَبْعُ الْكَلْبِ الْغَيْرِ الْمُعَلِّمِ يَحْذَرُ
اِذَا كَانَ قَابِلًا لِلتَّعْلِيمِ وَالْاِفْلَاوْهُوَ لِقَضَائِهِ - جو گنا شکار کے لیے سدھایا گیا ہو

یا سدھایا جا سکتا ہو صرف اس کی بیع جائز ہے اور جو ایسا نہیں اس کی خرید و فروخت منع ہے یہی صحیح ہے (جلد ۳ ص ۱۱۴)

سوال: حدیث نسائی شریف میں "لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ" کہا گیا ہے۔

الجواب: لیکن محدث نسائی علیہ الرحمۃ نے "الرخصة فی ثمن الکلب" کا عنوان قائم کر کے اس حدیث سے شکاری کتے کی قیمت کا جواز بھی ثابت کیا ہے معلوم ہوا کہ محدث مذکور کے نزدیک یہ حدیث "لَيْسَ هُوَ بِصَحِيحٍ" کہلانے کے باوجود درجہ استدلال

احتجاج سے ساقط نہیں کیونکہ ماہرین اصول حدیث جانتے ہیں کہ عدم صحت سند مضمون حدیث کی عدم صحت کو مستلزم نہیں ہوتا چنانچہ ترمذی ص ۱۳۱ و مشکوٰۃ ص ۱۰۰ میں ایک ایسی حدیث کو "لَا يَصُحُّ مِنْ قَبْلِ اسْنَادِهِ" کہا گیا ہے جس کا مضمون سورۃ النساء آیت ۴ کے موافق ہونے کی وجہ سے بالکل صحیح ہے۔ نیز حدیث ۲۵ نے "الاحادیث بعضها تقری بعضا" کے ضابطہ کے تحت اس حدیث کو مستحکم کر دیا ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث کی جن مقدس نصوص نے کتے کے شکار کو حلال قرار دیا ہے انہی کے ضمن میں اس کی خریداری کا جواز بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور حدیث نسائی کو مزید تقویت مل جاتی ہے کیونکہ اسلام مجموعہ اضداد کا نام نہیں کہ کتے کا شکار تو حلال ہو اور اس کی خریداری حرام اور قیمت ممنوع ہو۔

بنابریں ایک دفعہ ایک شخص نے کسی کے شکاری کتے کو قتل کر دیا تو حضرت

عبداللہ بن عمرو بن العاص نے قضی فی کلب صید قتلة رجل بأربعین درهماً فیصلہ فرمایا کہ کتے کا قاتل اس کے مالک کو چالیس درہم ادا کرے (بیہقی ص ۵ جلد ۴ طحاوی جلد ۲ ص ۲۲۸) اگر شکاری کتے کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو مندرجہ فیصلہ ہرگز نہ فرمایا جاتا۔

اعراض شکاری گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے۔ ہر گھوڑے کی ایک دینار دے یا قیمت

ڈال کر دے۔ (عند ابی حنیفہ ہدایۃ جلد ۱ صفحہ ۹ عالمگیری ص ۱۷۱) حالانکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ **قَدْ عَفَوْتُ عَنْ لُخَيْلٍ وَالتَّوْقِيقِ** میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی (ابوداؤد)

نام نہاد اہل حدیثوں کا یہ اعتراض بھی ان کے جاہل بالحدیث ہونے کی دلیل **الجواب** ہے کیونکہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ بعض صورتوں میں گھوڑوں کی زکوٰۃ لی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حدیث ۱۱: جانوروں کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بعض سزاؤں کا ذکر کرتے ہوئے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لَا اَنْدَرُ فَنَ اَحَدُكُمْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُ فَرْسًا لَمْ يَحْمَدْهُ يَمْحَدُ** یا محمد! یا محمد! میں تم میں سے کسی کو اس بری حالت کے ساتھ نہ پہچانوں کہ وہ بروز قیامت ہنہانے گھوڑے کو اٹھا کر لائے اور یا رسول اللہ! یا رسول اللہ کہہ کر مجھ سے فریاد کرے۔ (الغیب والہیب جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ الجواہر النقی علی البہقی جلد ۱ صفحہ ۱۲۲) اگر گھوڑوں کی زکوٰۃ کسی صورت واجب نہ ہوتی تو بروز محشر گھوڑا اٹھانے کی سزا کیوں ملتی؟

حدیث ۲: سیدنا ابو عبیدہ ابن الجراح نے سیدنا ام ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف لکھا کہ اہل شام گھوڑوں کی زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں۔ اس کی بابت آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ **خَذْهَا سَهْمًا وَادَّهَا عَلَيْهِمْ كَهَوْدُونِ** کی زکوٰۃ ان کے مالکوں سے لے کر وہیں تک غریبوں کو دے دو (مؤن ۱۱۰ مالک مع زاد

تنویر الخواک جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ و شرح الآثار مسون صفحہ ۱۲۱)

حدیث ۳: **ثُمَّ لَمْ يَنْسَخْ حَقَّ اللَّهِ فِي هَؤُلَاءِ وَلَا فِي بَهَا فِيهِمْ لَدَسْتِ** گھوڑے کی پیٹھ میں اور گردن میں جو اللہ تعالیٰ کا حق مقرر ہے اگر مالک اسے ادا کرتا ہے تو وہ گھوڑا اپنے مالک کے یہ پرہیز بوش ہوتا ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۱) گھوڑے کی گردن

میں اللہ تعالیٰ کا مقرر حق زکوٰۃ ہی ہے (فتح القدیر شرح ہدایۃ جلد ۱ ص ۱۳۸ جدید)

حدیث ۴۴: محدث زہری علیہ الرحمۃ سے مروی ہے انہیں سائب بن زبید نے خبر دی کہ زایتُ ابی یقوم الخیل شمید فَعَصَدُ قَتَهَا إِلَى عُمَرَ۔ میرے باپ گھوڑوں کی قیمت لگا کر ان کی زکوٰۃ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی خدمت میں حاضر کیا کرتے (الجوہر النقی جلد ۴ ص ۱۳۸)

حدیث ۴۵: سیدنا سمرة بن جندب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُبَيْعُ بِهِمْ حِكْمًا دِيَا كَرْتِي كَمَا بِيَعُ تَمَامِ أَمْوَالِ تِجَارَتِ كِي زَكْوَاتِ نَكَالِي (مشکوٰۃ ص ۱۶۰) معلوم ہوا جو شخص گھوڑوں کی تجارت کرتا ہے اس پر ان کی زکوٰۃ لازم ہے۔

حدیث میں ہے لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِي عَبْدِهِ وَلَا فِي فَرْسِهِ **سوال:** مسلمان پر اس کے خدمت گار غلام کی اور گھوڑے کی زکوٰۃ نہیں (مشکوٰۃ ص ۱۵۸) دوسری حدیث میں ہے۔ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ كَهَوْرِي كِي اور خدمت گار غلام کی زکوٰۃ میں نے معاف کر دی ہے (مشکوٰۃ ص ۱۵۹) ان دو حدیثوں کی مندرجہ بالا حدیثوں کے ساتھ مطابقت کی کیا صورت ہے؟

جواب: یہ دو حدیثیں خاص صورت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یعنی وہ گھوڑا جس پر سوار ہو کر کفار سے جہاد کیا جائے اور بغرض تجارت نہ خریداجائے اس کی زکوٰۃ معاف فرمادی گئی ہے جس طرح خدمت گار غلام کی زکوٰۃ نہیں یونہی اس گھوڑے کی بھی زکوٰۃ نہیں۔ تجارت کے گھوڑے چونکہ اموال تجارت میں داخل ہیں اس لیے ان کی زکوٰۃ مندرجہ بالا حدیثوں کی روشنی میں لازم ہے۔

معلوم ہوا کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ نہ علی الاطلاق معاف ہے نہ علی الاطلاق لازم۔ بعض صورتوں میں معاف ہے اور بعض صورتوں میں لازم۔ فتاویٰ عالمگیری میں یہی

مسئلہ اسی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو (ترجمہ) "صاحبین کے نزدیک گھوڑوں کی زکوٰۃ نہیں۔ فتویٰ دینے کے لیے یہی قول مختار ہے ہاں اگر تجارت کے گھوڑے ہوں تو پھر دوسرے مال تجارت کی طرح ان کی بھی قیمت لگائی جائے گی اگر نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ لازم ہوگی" (جلد ۱ ص ۱۶۸)

اعتراض ۳: عالمگیری میں ہے۔ اگر کسی عضو پر نجاست لگ جائے تو اس کو تین مرتبہ زبان سے چاٹ لیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔ (ترجمہ

ص ۸۳ عربی ص ۴۵ جلد ۱)

الجواب: وہاں نے اپنی ناقص الفہمی کی بنا پر "فتاویٰ عالمگیری" کی عالمی حیثیت نہیں سمجھی۔ یہ فتاویٰ بفضلہ تعالیٰ عالمی فتاویٰ ہے۔ اس میں وہ تمام مسائل حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو عالم اسلام میں عموماً یا خصوصاً پیش آتے رہتے ہیں یا آسکتے ہیں۔ تاکہ مملکت اسلامیہ کے قاضی صاحبان ان سے استفادہ کر کے نادر سے نادر واقعات و مقدمات کا حل دریافت کر سکیں۔

دنیا تے عالم میں جہاں عاقل بالغ آباد ہیں وہاں پاگل اور بچے بھی رہتے ہیں ان کی وجہ سے بھی کئی مسئلے جنم لیتے رہتے ہیں۔ مندرجہ مسئلہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ہاتھ کی کسی انگلی پر اگر پیشاب یا شراب یا خون لگ جائے تو انگلی کو اس نجاست سے صاف کرنے کے لیے پانی ہی استعمال کیا جاتا ہے مگر بچوں اور پاگلوں سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اس نجاست کو پانی سے ہی صاف کریں گے۔ بلکہ یہاں ممکن ہے کہ بجائے انگلی دھونے کے اسے چاٹ لیں (العیاذ باللہ) اور چاٹنے کے بعد وہی انگلی کسی شخص کے پانی میں ڈبو دیں اور وہ شخص اسلامی عدالت میں اس نوعیت کا مقدمہ دائر کر دے کہ میں نے پچاس روپیہ کا (مثلاً) پانی خرید کر منگے میں ڈالا تھا۔ فلاں پاگل نے نجاست سے بریز انگلی کو پہلے اچھی طرح چاٹا پھر اپنی انگلی میرے پانی میں ڈبو دی جس سے پانی پلید

اور بے کار ہو گیا۔ لہذا مجھے پاگل کے ماں سے پانی کی قیمت دلانی جائے تو جس قاضی نے فتاویٰ عالمگیری کا مندرجہ مسئلہ پڑھا ہو گا وہ یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دے گا کہ جب مدعی خود تسلیم کرتا ہے کہ پاگل نے پہلے انگلی سے نجاست کو چاٹ کر زائل کر دیا تھا پھر پانی میں ڈبو یا تھا تو پاگل کی انگلی کے سبب پانی پلید نہ ہوا کیونکہ جب انگلی پر سے نجاست نکل کر دی گئی تو نہ انگلی پلید رہی نہ پانی پلید ہوا۔ عبارت فتاویٰ کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ نجاست کو چاٹنا جائز ہے۔ یہ نجس فہمی صرف مخالفین کی دماغی نجاست کا نتیجہ ہے۔

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

خصوصاً نجس فہمی کی دبا سے

معاذ اللہ عالمگیری میں تو یہاں تک نفاست پسندی فرمائی گئی ہے کہ جو حلال جانور نجاست کھاتا ہو اسے نہ کھائیں بلکہ کئی دن تک باندھ رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پانے پھر سب اس کا گوشت نجاست کے اثر سے پاک ہو جائے تو ذبح کر کے کھائیں۔ اونٹ چالیس دن تک باندھا جائے، گائے بیس دن تک بکری دس دن تک مرغی تین دن تک اور چڑیا ایک دن (مسئلہ ج ۵)

سوال: کیا اس مسئلہ کی کوئی نظیر کتب حدیث میں موجود ہے؟

اجواب: بے شک اس کی نظیر حدیث کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ دیکھئے: بلی جو اکثر بولتے وغیرہ نجس اور پلید چیزیں کھاتی رہتی ہے جس وجہ سے اس کا منہ لب اور اس پاس کے بال پلید ہو جاتے ہیں اگر وہ پانی پئے تو چاہیے کہ پانی پلید ہو جائے اور اس کا جو ٹھانا پاک سمجھا جائے کیونکہ پانی پیتے وقت پانی میں اس کا منہ لب اور بال سب ڈوب جاتے ہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ رَأَيْتُمُ النَّجَسَاتِ بِجَنَسَةِ بَلْبِي نَجَسَ نَحْسِيں کہ اس کا جو ٹھانا پاک سمجھا جائے (ترمذی ص ۱۷۱ جلد ۱) کیونکہ بلی کی عادت یہ ہے کہ کسی چیز

کے کھانے کے بعد اپنا منہ وغیرہ چاٹ کر صاف کر لیتی ہے اگر چائے سے نجاست حقیقیہ زائل نہ ہو جاتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جوٹھے پانی کو یقیناً نجس اور پلید قرار دیتے۔ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم اطیب الطیبین واطیب الطاہرین

حدیث بالا میں بتی کے جوٹھے کے نجس نہ ہونے کی علت بدیں بلغاط میں بیان کی گئی ہے کہ **سوال** : اِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ اَوِ اطِّوَّافَاتٍ (بتی گھروں میں آنے جانے والے لوگوں یا نوکرانیوں کی مانند ہے۔ چائے کی علت قرار نہیں دیا گیا۔

الجواب : ناپاک ہو اور اسے شریعت مطہرہ نے ازالہ لہارت میں مؤثر قرار دیا ہو۔ دوسرا یہ کہ اس کے منہ پر خارجی نجاست لگی ہوئی ہو بتی کا جوٹھا ان دونوں سببوں سے پاک ہے پہلے سے اس لیے کہ وہ گھروں میں بکثرت آتی جاتی ہے اگر لعاب کی وجہ سے اس کا جوٹھا ناپاک سمجھا جائے تو اہل خانہ حرج میں مبتلا ہو جائیں گے اور دوسرے سے اس لیے کہ وہ اپنے منہ وغیرہ پر نجاست کو رہنے نہیں دیتی فوراً چاٹ کر صاف کر دیتی ہے۔ حدیث میں پہلے سبب کی نفی کا ذکر صراحتاً ہے اور دوسرے کی نفی کا اشارہ متقی علیاً۔ چونکہ حدیث دانی میں سبب پر فائق ہیں اور کتاب و سنت پر عمل کرنے میں سب سے آگے ہیں اس لیے وہ نصوص شرعیہ کی تصریحات کی طرح اشارات کو بھی کارآمد قرار دیتے ہیں اور سب پر حسب مراتب عمل کرتے ہیں۔

چیلنج : اگر کوئی مخالف ذکر کردہ مسئلے کے پانی کو پلید کہنے پر مصدق ہو تو اسے چیلنج ہے کہ اپنے سب سے بڑے مولوی سے اس مسئلے کے پلید ہونے کا فتویٰ بحوالہ کتاب و سنت لکھوا کر مہر لگوا کر شائع کرے اور انعام پائے۔

۷ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو مرے آزمانے ہوئے ہیں

اعتراض^{۲۲}؛ جب گنا ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت فروخت کرنا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۱۵ ج ۳)

اعتراض^{۲۳}؛ تمام حرام شرابوں کا سوائے خمر کے فروخت کرنا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۱۶ ج ۳)

اعتراض^{۲۴}؛ گانے بجانے کے آلات مثلاً بربط۔ طبل مزمار وغیرہ کی بیع جائز ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۱۱۶ جلد ۳)

الجواب؛ جب عقل تنسیم کی گئی تو اس میں کچھ حصہ اگر معتزضین کو بھی مل جاتا تو فتاویٰ عالمگیری پر اعتراض کرنے سے پہلے درج ذیل نین باتیں ضرور سوچتے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری نے ان مسئلوں میں صرف فروخت کرنے کو کیوں جائز لکھا ہے خریدنے کو کیوں نہیں لکھا؟

(۲) اشربہ محرمہ کی بیع سے خمر کو کیوں مستثنیٰ فرمایا؟

(۳) گتے کے گوشت میں ذبح کی قید کیوں لگائی؟

لیکن یہ قسمت کے مارے جب بارشاد مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم وادی سفاہت و ضلالت میں بھٹک رہے ہیں تو اس کی ان باریک اور دقیق باتوں کی طرف رسائی کس طرح ہو سکتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں اہل اسلام ہی نہیں یہود و نصاریٰ اور ان جیسے دیگر کفار بھی شرائط مخصوصہ کی پابندی قبول کر کے رہ سکتے ہیں ان کے ہاں کتوں کا گوشت کھانا شراب پینا گانا بجانا سب جائز ہے مسلمان سربراہ ان کی اس خوراک و شراب پر اور مشاغل سرود و غنا پر پابندی نہیں لگا سکتا۔ البتہ انہیں اسلام کی دعوت جبر و اکراہ کے بغیر دے سکتا ہے تو اگر کوئی غیر مسلم اسلام کی حقانیت معلوم کر کے برضا و رغبت اسلام قبول کرے اور اس کے قبضہ میں مسلمان ہونے سے پہلے کی حرام شرابیں حرام گوشت اور آلات سرود و غنا موجود ہوں تو وہ مسلمان ہونے کے بعد ان چیزوں کو کیا کرے؟ انہیں یونہی پھینک دے؟ یا کسی غیر مسلم کو بلا معاوضہ دے دے؟ یا معاوضہ لے کر دے؟ اگر

معاوضہ لے کر غیر مسلم کے حوالے کرے تو کیا ان حرام چیزوں کے معاوضے کی رقم مسلمان کے لیے کھانی جائز ہے؟ یا ناجائز؟ ان تمام مسئلوں کا جواب دیتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری نے ارشاد فرمایا کہ خمر اور غیر مذہبوح کتے کا گوشت یہ دو چیزیں چونکہ حرام بھی قطعی ہیں اور پلید بھی قطعی۔ اس لیے ان کا بیچنا حرام ہے اور ان سے حاصل شدہ رقم کا استعمال کرنا ممنوع (انہیں پھینک دیا جائے) اور ان کے علاوہ دیگر مذکورۃ الصدرا اشیا کا غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے اور معاوضہ کی رقم کا برتنا درست۔ کیونکہ یہ شرابیں حرام اور نجس تو ہیں لیکن اخبار آحاد سے ثابت ہونے کی وجہ سے خمر کی طرح قطعی نہیں اور کلب مذہبوح حرام قطعی تو ہے مگر غیر مذہبوح کی طرح نجس قطعی نہیں تو جو چیز حرام بھی قطعی ہو اور نجس بھی قطعی اس کا غیر مسلم کے ہاتھ پر فروخت کرنا بھی منع ہے۔ بنا بریں فتاویٰ میں صرف بیچنے کا ذکر کیا گیا ہے خریدنے کا نہیں کیونکہ مسلمان کو یہ تو حکم دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کو اپنی ملک سے نکال دے اسے یہ اجازت نہیں دی گئی کہ انہیں خرید کر اپنی ملک میں لائے۔ وہا بیو! بتاؤ تمہیں اس میں کون سی چیز کتاب و سنت کے خلاف نظر آئی کہ متبین فتاویٰ عالمگیری کی کوششوں کو سراہنے کی بجائے ان کی بے قدری کر رہے ہو اور موجودہ دور کے مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہو کہ متحدہ ہندوستان پر گیارہ سو سال تک جن (سنی حنفی) مسلمانوں نے حکومت کی اور جو علماء و مشائخ (قدست اسرار ہم) یہاں پیدا ہوئے یا تشریف لائے وہ سب کے سب دین اسلام سے دور تھے اور ناواقف۔ معاذ اللہ۔ سچا دین اور سچا مذہب تو صرف ہم وہا بیوں کو چودھویں صدی میں برٹش گورنمنٹ (علیہ ما علیہ) کی نظر عنایت کی بدولت نصیب ہوا ہے۔

شرم نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ہماری مخلصانہ گزارش یہ ہے کہ وہا بیت کی ناپاک بدعت کو جھوٹ کر سنیت و حقیقت

کا سیدھا راستہ اب بھی اختیار کر لو تاکہ دارین کی سعادت پاؤ اور جہنم کی بھڑکتی آگ سے

بیچ سکوسد باز او بازار آ از آنچہ ہستی باز آ

سوال: جب شراب حرام ہوئی تھی تو صحابہ کرام نے سب شرابیں گرا دی تھیں۔
جواب: مسلمان ہونے کے بعد اب بھی شرابوں کو گرا دینا بہتر ہے لیکن کوئی عزیز اگر غیر مسلم کو غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کر کے کچھ پیسے حاصل کرے تو شرعاً یہ بھی جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں اسی لیے فتاویٰ عالمگیری نے اس بیع کو صرف جائز کہا ہے بہتر نہیں کہا کیونکہ بہتر وہی کام ہے جو صحابہ کرام نے کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضائہم عنہم) عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد نو مسلم اپنے رشتہ داروں سے کٹ جانے کی وجہ سے بہت سی مالی مشکلات میں پھنس جاتا ہے فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین نے اس کی پریشانی کم کرنے کے لیے اس کو پیسہ حاصل کرنے کے کچھ جائز طریقے بتا دیئے تاکہ ان پر عمل کر کے غیر مسلم کی کچھ رقم کھٹائے اور اپنی کچھ مالی پریشانی مٹائے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ وجزاہم عنانہم الخیر الجزاء۔

اعراض ۳۵: اگر کسی کو نکسیر مھوٹے اور خون نہ تھمے تو اگر وہ خون کے ساتھ اپنی پریشانی پر کچھ قرآن لکھالے تو بقول ابو بکر اسکا ف یہ جائز ہے اور بعض کا قول ہے کہ اگر پیشاب سے قرآن لکھ لے تو پھر بھی مضائقہ نہیں اگر اس سے اس کو شفا ہو (نعوذ باللہ) (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۵۶ جلد ۵۔ قاضی خاں ص ۲۰۳ جلد ۳)

الجواب: (۱) جب قرآن مجید پر عمل کرنے کا حکم ملتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آیات محکمات پر عمل کرو اور متشابہات پر صرف ایمان لاؤ (مشکوٰۃ ص ۱۰۶) حالانکہ متشابہات بھی قرآنی آیات ہیں۔ اور جب حدیث پر عمل کرنے کا ارشاد فرمایا جاتا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ احادیث رجیحہ غیر منسوخہ پر عمل کرو (بخاری ص ۶۱۳)

حالانکہ احادیث منسوخہ موجود بھی کتب حدیث میں موجود ہوتی ہیں اور صحیح سندوں کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں۔ یونہی جب اہل سنت احناف علماء و مقتدر فضلار حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ فرنگی دور کا نایاک قانون تعزیرات بند منسوخ کرو اور اس کی

جگہ فقہ حنفی کو نافذ کر دو تو اس کا مطلب بھی صرف یہی ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کے وہ تمام مسائل نافذ کر دیں جن پر فتویٰ ہے غیر مفتی بہ قول کے نفاذ کا مطالبہ ہرگز نہ ہرگز نہیں ہوتا۔ وہابیہ نے اعتراض ۳۵ میں جو دو قول ذکر کئے ہیں ان میں سے کوئی قول بھی ہمارے ہاں مفتی بہ نہیں اور ان میں سے کسی کے نفاذ کا مطالبہ نہیں۔ ہم تو پیشاب کو بھی اور خون کو بھی نجس و پلید سمجھتے ہیں تو ان کے ساتھ پاک کلام کے لکھنے کا فتویٰ کس طرح دے سکتے ہیں۔ البتہ اس قسم کے فتویٰ کی توقع تو وہابیہ سے کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب میں خون بھی پاک ہے اور پیشاب بھی بلکہ ام الحبائث شراب بھی، (ملاحظہ ہو "لغات الحدیث" مصنفہ وحید الزمان نام نہاد اہل حدیث ص ۵۸ ن ص ۶۴ و ص ۷۳)۔

الجواب: مندرجہ بالا دو قولوں میں سے صرف پہلا فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کیا گیا ہے دوسرا نہیں۔ اور دونوں اکٹھے فتاویٰ عالمگیری کی بجائے صرف قاضی خاں میں مذکور ہیں اور قاضی خاں نے ان دونوں کا قائل صرف ابو بکر اسکان کو قرار دیا ہے۔ وہابیہ نے جہاں دونوں کو فتاویٰ عالمگیری کی طرف منسوب کر کے دھوکا دیا ہے وہاں دونوں کا قائل الگ الگ بتا کر جہالت بھی کی ہے۔ قاضی خاں پر مولیٰ کریم جل مجدہ ہزاروں رحمتیں نازل کرے کہ انہوں نے دونوں کے آخر میں "لَوْ كَانَ فِيهِ شِفَاءٌ لَّابْتَأَسَ بِهِ" لکھ کر وہابی اعتراض کا پوری طرح قلع قمع کر دیا ہے۔ کیونکہ لفظ "لَوْ" کے متعلق امام راعب فرماتے ہیں لَا مُتَنَاعَ الشَّيْءِ لِإِمْتِنَاعِ غَيْرِهِ یعنی لَوْ اس کی شرط و جزاء کے دونوں جملوں کے امتناع پر دلالت کرتا ہے۔ (مفردات ص ۳۳۳) تو اس صورت میں عبارت قاضی خاں کے معنی یہ ہوتے کہ "اس کتابت کے سبب اگر شفا ممکن ہوئی تو کتابت کو جائز قرار دیا جاتا مگر شفا تو ممکن نہیں مُتَنَاعُ بے لہذا کتابت بھی جائز نہیں مُتَنَاعُ ہے۔ معلوم ہوا کہ کتابت بالبول کے جواز پر ابو بکر اسکان کا بھی فتویٰ نہیں وہ بھی اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔ مگر وہابیہ کی نادانی انہیں صحیح مفہوم کے سمجھنے سے روک رہی ہے۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مکب تا ابد بمسند

اعترض ۲۴ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۵۲ سطر ۲۴ اور ردالمحتار جلد ۳
صفحہ ۲۴۸ وغیرہ میں ایک عجیب قیاس بھی لکھا ہے کہ ”اگر ذمی ایک
دینار جزئیہ سے ادا نہ کرے تو اس کا عہد ٹوٹ گیا اور خون اور مال اس کا حلال ہو گیا
اگر بیت اللہ شریف کو جلائے اور مسجد نبوی کو ویران کر دے اور اللہ تعالیٰ اور رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ گالیاں دے تو پناہ اور عہد اس کا باقی ہے اور خون اور
مال اس کا محفوظ و معصوم“

سلطنت اسلامیہ کی طرف سے ذمی کا فر پر جو مقرر کیا جاتا ہے اسے
الجواب ”جزئیہ“ کہتے ہیں (بہار شریعت جلد ۹ ص ۱۰۴) اور ذمی اس کافر کا
ہے جسے بعوض جزئیہ سلطنت اسلامیہ میں پناہ دی گئی ہو تاکہ وہ مہلت پا کر اسلام
محاسن اور دلائل کی قوت دیکھے اور مشرف باسلام ہونے کا موقع پائے (نوائین العرف
ص ۲۲۸ حاشیہ وغیرہ: قرآن مجید میں ہے۔ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ
ضَاغِرُونَ (کتابی کافروں سے جہاد کرو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر
دیں (التوبہ ۴۷))

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سَتُؤَابِهَهُمْ سُنَّتُ
أَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرِ كِتَابِي كَافِرُونَ كَمَا سَأَلْتَهُمْ سَلُوكَ كَرْدِ جَوْ كِتَابِي كَافِرُونَ كَمَا سَأَلْتَهُمْ
کرتے ہو یعنی مجوس وغیرہ کفار کو بھی جزئیہ قبول کرنے کی صورت میں ذمی بنا لیا
(موطا امام مالک مع شرح تنویر الحواکک جلد ۱ ص ۲۴۴) اس حکم سے کفار قریش اور مشرکین
مستثنیٰ ہیں ان سے جزئیہ قبول نہیں کیا جاتا بلکہ یہاں اسلامی قانون یہ ہے کہ مشرف
ہو جائیں ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے۔ قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَدْرُوا

فُتِنَةُ ان کافروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ کفر و شرک مٹ جائے (البقرہ ۲۴۶)
 ان دو آیتوں کا جو مطلب اور محل بیان کیا گیا ہے اسے ابن المنذر نے ابن شہاب سے
 نقل فرمایا ہے (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۲۸) مزید تشریح کے لیے احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔
 حدیث ۱: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کافروں کی طرف لشکر روانہ
 فرماتے تو امیر لشکر کو تین باتوں کا حکم دیتے۔

• "ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ" کافروں کو اسلام کی دعوت دے۔

• اگر نہ مانیں تو "سَلِّمُوا الْجَزِيَةَ" ان سے جزیہ کا مطالبہ کر۔ اگر جزیہ دینا

قبول کر لیں تو "كُفِّ عَنْهُمْ" ان کے قتل و قتال سے پرہیز کر۔

• اگر جزیہ قبول نہ کریں "فَأَسْتَعِينُ بِاللَّهِ وَقَاتِلُهُمْ" تو اللہ سے مدد مانگ اور

اور ان سے جنگ کرو (مسلم ص ۸۲ ج ۲)

حدیث ۲: حضرت خالد بن ولید "دومہ" کے کتابی بادشاہ اکیڈر کو پکڑ کر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے "فَحَقَّنَ دَمَهُ وَصَالِحَهُ عَلَى الْجَزِيَةِ"

تو آپ نے اس کا خون معاف فرما دیا اور اس شرط پر صلح کی کہ وہ جزیہ دیا کرے (مشکوٰۃ ص ۲۵۲)

حدیث ۳: أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ كَفَارًا وَشُرَكَائِهِمْ كَوَجْزِيرَةٍ

عرب سے نکال دو (مشکوٰۃ ص ۲۵۵)

حدیث ۴: لَا أَدْعُ فِيهَا إِلَّا مُسْلِمًا جَزِيرَةَ عَرَبٍ فِي مَسْأَلَةٍ مَسْأَلَةٍ كَمَا كُنْتَ

کو نہ رہنے دوں گا (مشکوٰۃ ص ۲۵۵)

حدیث ۵: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ جَزِيَةٌ مُسْلِمُونَ بِرَجْزِيَةٍ مَقْرَرَةٍ كَمَا جَاءَ فِي مَشْكُوٰةِ

ان آیات کریمہ و احادیث شریفہ سے درج ذیل مسائل معلوم ہوتے۔

مسئلہ ۱: جزیرہ عرب میں خصوصاً حرمین نبیین میں کافروں کو بطور ذمی

آباد نہیں کیا جاسکتا انہیں مسلمان ہونا پڑے گا ورنہ قتل کر دینے جائیں گے یا نکال دیں

جائیں گے۔ تو بیت اللہ شریف کو جلانے اور مسجد نبوی شریف کو ویران کرنے کا گناہ ذمیوں سے کسی طرح سرزد ہو سکتا ہے جب وہ ان مقامات مقدسہ میں آباد ہی نہیں کئے جاسکتے تو ان جرموں کا ارتکاب کس طرح کریں گے۔ بنا بریں فتاویٰ عالمگیری اور ردالمحتار میں ذمیوں کے جرموں میں ان دو کا ذکر نہیں کیا گیا۔ وہابیہ نے ان کتابوں پر افتراء باذہا ہے اور جھوٹ بولا ہے۔ اور اپنے دل کی سیاہی کو مزید گہرا کرنے کے لیے جھوٹے صفحے اور جھوٹی سطرین لکھ دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مفتریوں کے جھوٹے مذہب سے مسلمانوں کو بچائے۔

ابوالکلام آزاد کے والد ماجد نے کیا خوب فرمایا ہے

وہابی بے حیہ جھوٹے ہیں یارو

تڑتڑ جوتیاں تم ان کو مارو (آزاد کی کہانی ص ۳۳)

مسئلہ ۱۰: ان کے عداوت دیکر کفار و مشرکین اگر جزیہ دینا قبول کر لیں تو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے گریز کیا جائے گا اور ان کے مال و جان کی حفاظت کی جائے گی ورنہ جنگ ضروری ہے اور ان کے مال و جان غیر محفوظ رہے یہی مسئلہ فتاویٰ عالمگیری میں بدیں الفاظ ذکر کیا گیا ہے۔ من امتنع عن ادایہ الجزیۃ... لکم ینقض عہدہ ولو امتنع عن قبولہا ینقض عہدہ یعنی جس ذمی کافر نے ابتداءً جزیہ دینا قبول کر لیا پھر کسی وجہ سے وقت پر ادا نہ کیا تو ادا نہ کرنے سے اس کا عہدہ ٹوٹا ہاں اگر جزیہ قبول کرنے سے رک گیا تو عہدہ نہ رہا جلد ۲ ص ۲۵۲۔ وہابیہ کا ہماری طرف یہ عبارت منسوب کرنا۔ ”اگر ذمی ایک دینار جزیہ سے ادا نہ کرے تو اس کا عہدہ ٹوٹ گیا“ ہم پر بہتان و افتراء ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اور ردالمحتار میں اس عبارت کا ذکر ہرگز نہیں۔ وہابیو! اگر مذہب وہابیت وغیر مقلدیت کی نشوونما جھوٹ پر موقوف ہے تو مرتے دم تک اس مذہب نامہذب پر قائم رہنے کی کیا ضرورت ہے فوراً توبہ کرو اور سنیت و حقیقت کو بدل و جان قبول کر لو ورنہ ان حذاب بنی لشدید۔

خدا را باز آجاؤ وہابیت کی بدعت سے

پکڑ لو دامِ سنت بزرگوں کی عنایت سے

مسئلہ ۳: صرف کافروں کو ذمی بنایا جاتا ہے مسلمانوں کو نہیں یونہی جزیہ صرف

کافروں پر مقرر کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں پر نہیں تو اگر کسی کافر نے ذمی بننے کے بعد اللہ و

رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ اقدس میں گستاخی بھی کی تو اس نے کفر ہی کیا

وہ پہلے بھی کافر تھا اب بھی کافر ہے۔ جب قرآن و حدیث نے مسلمانوں کو اجازت دی

ہے کہ وہ کافروں پر جزیہ لازم کر کے ان سے معاہدہ کر لیا کریں تو پھر اس معاہدے کے

ٹوٹنے کا سبب کفر ہی کو کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا وہابی اتنی بات بھی نہیں سمجھ

سکتے؟ کیا وہ صحیح معنی میں ”كَالْاِنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ“ ہو چکے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ کفار

حربی ہوں یا ذمی سب کے سب شانِ الوہیت و شانِ رسالت میں سخت بے ادب اور

سخت گستاخ ہوا کرتے ہیں لیکن اہل ذمہ چونکہ ہم مسلمانوں کی پناہ میں آجاتے ہیں اس

لئے ان پر لازم کیا جاتا ہے کہ علی الاعلان گستاخی کا ارتکاب نہ کریں ورنہ سزا پائیں گے

اس پر بھی اگر باز نہ آئے تو قتل کر دیئے جاتیں گے فقہ حنفی کی بعض عبارات ملاحظہ ہوں۔

يُؤَذَّبُ الذِّمِّيُّ وَيُعَاقَبُ عَلَى سَبِّهِ دِينِ الْاِسْلَامِ اَوِ الْقُرْآنِ اَوِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَمِي كافر کو ادب سکھایا جائے گا اگر اس نے دین اسلام کو یا قرآن مجید

کو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہا اور گالی بکی تو اسے سزا دی جائے گی (تنویر الابصار

مع شرح الدر المنثور جلد ۱ ص ۴۷۷) علامہ ابن عابدین علیہ الرحمۃ نے اس عبارت پر حاشیہ

لکھا ہے کہ اطلقه فشمئلا تأديباً وعقاباً بالقتل اذا اعتادوا وانغن بد۔

صاحب تنویر نے لفظ ”عقاب“ مطلق ذکر کیا ہے جو ”عقاب بالقتل“ کو بھی شامل ہے لہذا

اگر ذمی کافر بد کلامی کا عادی ہو گیا اور اس نے علی الاعلان گالی بک دی تو اسے قتل کر دیا

جائے گا (رد المنثور ج ۲ ص ۲۷۹) خلاصۃ الہام آنکہ ذمی کافر ہوتا ہے کافر گستاخ ہوتا ہے

تو محض گستاخی سے عقد ذمہ نہیں ٹوٹتا البتہ اہل ذمہ کو قانوناً گستاخی سے روکیں گے نہ رکے تو ماریں گے اس پر بھی نہ رکے تو قتل کر دیتے جاتیں گے۔ وہابیہ چونکہ خود شان الوہیت شان رسالت شان ولایت میں گستاخیاں کرتے رہتے ہیں اس لیے انہیں فقہاء اُمت کی عبارات کے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ لَقَوْلِهِمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا۔ حدیث میں ہے کچھ یہودیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی کہ انہوں نے بجائے سلام کے آپ کے لیے لفظ ”سام“ استعمال کیا جس کے معنی موت کے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سزا تو نہ دی بلکہ ان کے الفاظ ان پر لوٹا دیئے (مشکوٰۃ ص ۳۹۱) لیکن آپ نے یہودیوں کے سردار کعب ابن الاشرف کو جو علی الاعلان بار بار گستاخی کرتا تھا قتل کروا دیا (بخاری ص ۲۵۵) معلوم ہوا کہ ایک دفعہ کی گستاخی میں اور بار بار کی گستاخیوں میں فرق ہے۔ دونوں جرموں کی سزائیں الگ الگ ہیں۔

مسئلہ ۱۱۔ فقہاء احناف نے مسئلہ جزیہ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ براہ راست مذکورۃ الصدر حدیثوں سے ثابت ہے اسے ”عجیب قیاس“ سے تعبیر کرنا وہابیہ کی عجیب حماقت و جہالت ہے ان بے چاروں کو نہ قیاس کا پتہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے نہ حدیثوں کی خبر ہے کہ وہ بتعلق اہل ذمہ کیا حکم دیتی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسوں ہی کی بابت پیشگوئی فرمائی کہ جاہل ہوں گے فتوے دیں گے خود بہکیں گے دوسروں کو بہکائیں گے ”العیاذ باللہ (مشکوٰۃ ص ۳۳)

اعتراف ۱۲؛ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ ”اگر کسی نے نماز میں قہقہہ مارا تو وضو اس کا جاتا رہا اور اگر گانے لگے یا جھوٹی گواہی دے تو وضو اس کا برقرار ہے۔“
الجواب؛ نماز میں قہقہہ مارنا بھی گناہ ہے گانے گانا بھی اور جھوٹی گواہی دینا بھی پہلا چھوٹا گناہ ہے دوسرا بڑا اور تیسرا بہت بڑا۔ قیاس یہی چاہتا ہے کہ جب بڑے گناہ سے

وضو نہیں ٹوٹتا تو چھوٹے سے بھی نہ ٹوٹے۔ مگر فتاویٰ عالمگیری عربی ص ۱۳ جلد ۱ میں لکھا ہے کہ ”رکوع و سجود والی نماز میں اگر عاقل بالغ نے قہقہہ مارا تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جاتے گی اور وضو بھی۔“ یہ مسئلہ چونکہ قیاس کے خلاف ہے اس لیے وہابیہ نے اسے بھی اپنے ناپاک اعتراضوں کا نشانہ بنایا مگر انہیں یہ خبر نہیں کہ احناف کرام نے اس مسئلہ کو قیاس سے ثابت نہیں کیا۔ بلکہ حدیث شریف سے اخذ فرمایا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ ضَحِكَ فِي الصَّلَاةِ فَهَقَمَهُ فَلْيُعِدِ الوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ. جس شخص نے نماز میں قہقہہ مارا تو وہ دوبارہ وضو کرے اور دوبارہ نماز پڑھے (رواہ ابن عدی فی الکامل عمدة القاری ص ۴۸ ج ۳ فتح القدیر مع الہدایۃ وشرحہ ص ۴۶ ج ۱ الجوزبر النقی مع السنن البیہقی ص ۱۱۱) علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے عمدۃ القاری میں اس مضمون کی گیارہ حدیثیں چار مرسل سات مسند ذکر کر کے فرمایا ہے کہ فیکثرتہا و اختلفت طرقہا و متونہا و رواہا تتعاضد و تتقوی علی ما لا یخفی یہ حدیثیں اپنی کثرت کی وجہ سے نیز سندوں متنوں اور راویوں کے مختلف و متعدد ہونے کے سبب ایسی مضبوط اور قوی ہو چکی ہیں کہ اس میں کچھ خفا نہیں رہی۔

سوال: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ اذ ضحک فی الصلوة اعاد الصلوة و لکن یعد الوضوء۔ جب کوئی نماز میں ہنس پڑے تو وہ صرف نماز کا اعادہ کرے وضو کا نہیں (بخاری جلد ۱ ص ۲۹)

جواب: یہ حدیث مذکورۃ القدر حدیثوں کے معارض نہیں کیونکہ ان حدیثوں میں قہقہہ کا ذکر ہے اور اس حدیث میں ضحک کا۔ ضحک فی الصلوة سے صرف نماز ٹوٹتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا۔ قہقہہ سے نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے اور وضو بھی جنفی علماء چونکہ تمام غیر منسوخ حدیثوں پر عمل کرتے ہیں اس لیے انہوں نے مسئلہ مذکورہ کی تفصیل

کرتے ہوئے فرمایا کہ ہنسنے کی تین قسمیں ہیں (۱) "تبسم" اس میں صرف دانت ظاہر ہوتے ہیں آواز نہیں نکلتی (۲) "ضحک" اس میں خفیف آواز نکلتی ہے جسے وہ خود سن سکتا ہے اس پاس والے نہیں سن سکتے (۳) "ہتہبہ" اس میں اتنی آواز نکلتی ہے کہ اس پاس والے بھی سن لیتے ہیں۔ پہلی قسم سے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ نماز دوسری قسم سے نماز ٹوٹتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا اور تیسری قسم سے نماز بھی ٹوٹتی ہے اور وضو بھی (عامکری ج ۱۱، بدایتہ ص ۱۲)

مسائل کے اثبات کے چار اصول ہیں (۱) قرآن مجید (۲) حدیث

شیطانی قیاس :

شریف (۳) اجماع امت (۴) قیاس شرعی۔ وہابیہ کے پاس مستند مذکورہ کی بابت احناف کے مقابلہ میں نہ کوئی آیت ہے نہ حدیث نہ اجماع امت ہے نہ قیاس شرعی۔ اور جس قیاس کا انہوں نے سہارا لیا ہے وہ شرعی نہیں۔ کیونکہ شرعی قیاس وہ ہوتا ہے جس سے نصوص شرعیہ میں سے کسی غیر منسوخ نص کی مخالفت لازم نہ آتی ہو۔ اور قیاس مذکور تو حدیث مذکور کے صریح مخالف ہے لہذا غیر شرعی ہے اور غیر معتبر۔ مولائے کائنات سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

"قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ موزوں کے نیچے مسح کیا جائے کیونکہ ان کا صرف پچلا حصہ زمین پر لگتا ہے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ اوپر مسح کیا تھا اس لیے یہاں قیاس اور رائے کی بجائے حدیث و سنت پر عمل کیا جائے گا (مشکوٰۃ ص ۴۵)

نص کے مقابلہ میں قیاس کرنے کی بدبختی سب سے پہلے شیطان کو حاصل ہوتی تھی۔ بولا (الہی) میں آدم سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے (الاعراف ص ۱۷) اسی بنا پر ملعون ابدی قرار پایا۔ پھر اس کی روحانی اولاد نے ہمیشہ اس کے شیطانی قیاس کا سہارا لیا اور نصوص شرعیہ کا انکار کر کے ان کے ماننے والوں پر بذریعہ قیاس غیر شرعی طعن و تشنیع کیا۔ چنانچہ کفار مکہ نے اہل اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا۔ تَاْكُلُوْنَ مَا ذَبْحْتُمْ وَلَا تَأْكُلُوْنَ مَا ذَبَحَ اللّٰهُ مِنَ الْمَيْتَةِ۔ مسلمانو! تم اپنا ذبح

کیا ہوا جانور تو کھالیتے ہو پر اللہ کا ذبح کیا ہوا مردار جانور نہیں کھاتے (تفسیر قطبی ج ۲ ص ۹۳)
 بنا بریں ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوتے اور شیطان کے ساتھ بنے (العیاض باللہ) جس طرح شیطان
 نے اور اس کی اولاد نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابل قیاس کیا تھا یونہی منکرین فقہ نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث (مَنْ ضَحَّكَ فِي الصَّلَاةِ قَهَقَهُ) کے مقابل
 قیاس کیا ہے وہابیہ کی اس سے بڑی بد بختی کیا ہوگی۔ کہ اپنے سنی حنفی آباؤ اجداد کے صحیح
 طریقے کو چھوڑ کر اس طریقے پر گامزن ہو گئے ہیں جسے شیطان نے اپنے لیے اور اپنی اولاد
 کے لیے پسند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
 مزار پر الوار کے ہر ذرے پر کروڑوں رحمتیں نازل فرماتے جنہوں نے ہمیں اصول اربعہ کے
 درمیان نفیس ترتیب بتائی کہ قیاس کا درجہ سب سے مؤخر ہے اور نص کے مقابل قیاس
 کرنا ممنوع ہے اور جب کوئی مسئلہ کسی غیر منسوخ حدیث شریف سے ثابت ہو جائے
 تو اسے قیاس کے ذریعہ رد کرنا حرام ہے۔ وہابیو! اب بھی وہابیت سے توبہ کر لو سنیت و
 حنفیت کو بدل و جان قبول کر لو نجات پاؤ گے۔ ورنہ

بے جہنم دشمنانِ اولیاء کے واسطے

(اللَّهُمَّ ذِقْ تَوْبَةَ نَصُوحًا)

نوٹ: قبقبہ کا مسئلہ فتاویٰ عالمگیری کے جس صفحہ پر مذکور ہے وہابیہ نے اس کا نمبر
 نہیں لکھا کیونکہ اس صفحہ پر دوسرے ان دو مسئلوں کا ذکر تک نہیں کیا گیا جنہیں وہابیہ
 نے مقیس علیہا قرار دے کر احناف پر اعتراض کیا ہے۔ اس طرح وہ اپنی چوری چھپانا
 چاہتے تھے مگر ہم نے جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ لکھ کر چوروں کی چوری ظاہر کر دی جس کا جی چاہے صفحہ
 مذکورہ نکال کر دیکھ لے۔ اسے نہ گانے کا مسئلہ نظر آئے گا نہ جھوٹی گواہی کا۔

اعترض ۳۸: فتاویٰ عالمگیری جیسی خود ساختہ فقہ کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ تمام
 قرآن کے سیکھنے سے فقہ کا سیکھنا اچھا ہے (انموذ باللہ)

جواب ۱ اصل عربی عبارت یہ ہے۔ رَجُلٌ تَعَلَّمَ نُبُضَ الْقُرْآنِ ثُمَّ وَجَدَ فَرَاغًا
فَإِنَّهُ يَتَعَلَّمُ تَمَامَ الْقُرْآنِ وَتَعَلَّمَ الْفِقْهَ اَوَّلِي مَنْ تَعَلَّمَ
تَمَامَ الْقُرْآنِ یعنی اگر کسی نے ابھی تک پورا قرآن مجید نہیں سیکھا صرف کچھ آیتیں
سیکھی ہیں جن سے نماز ادا کر سکتا ہے پھر اسے پورا قرآن مجید سیکھنے کی فراغت مل گئی
تو اسے پورا قرآن مجید سیکھ لینا چاہیے مگر چونکہ پورا قرآن مجید سیکھنا آسان نہیں خصوصاً
اہل عجم کو اس پر کئی سال صرف کرنے پڑتے ہیں اور مسلمانوں جیسی زندگی گزارنے کے لیے
تو فقہی مسائل کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے بنا بریں اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ فقہ کے
ضروری مسائل کی تعلیم ابھی سے شروع کر دے اسے پورا قرآن مجید سیکھنے تک مؤخر نہ
کرے ورنہ ساہا سال تک مسلمانوں جیسی زندگی گزارنے سے محروم رہے گا (عالمگیری ص ۲۶۶)
عربی عبارت کا جو مفہوم عرض کیا گیا ہے اسے کسی فقیہ نے اپنے دل سے نہیں گھڑا
بلکہ متعدد حدیثوں سے اخذ فرمایا ہے۔

ع ۱: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نو مسلم کو نماز سے متعلق فقہ کے
ضروری مسائل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ نَاقِرًا وَاِلَّا نَا
حَمْدِ اللّٰهِ وَكَبْرُوْهُ وَهَلْلُوْهُ ثُمَّ اَرْكَعْ اِذَا رَكَعْتَ اِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ نَاقِرًا وَاِلَّا نَا
رُكُوْعٍ سَبْعًا اَوَّلُهُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ - اللّٰهُ اَكْبَرُ - لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر
رکوع کر (مشکوٰۃ ص ۷۷) اگر پورا قرآن مجید سیکھنا فقہی مسائل جاننے سے اولی ہوتا تو
آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو فقہی مسائل نہ بتاتے بلکہ حکم دیتے کہ پہلے پورا
قرآن مجید سیکھ پھر مسائل فقہ بتائیں گے۔

ع ۲: ایک شخص کی دس بیویاں تھیں جب اس نے اسلام قبول کیا تو نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان میں سے چھ کے چھوڑنے کا حکم دیا اور چار کے رکھنے کی اجازت بخشی آپ نے اسے
یہ نہیں فرمایا کہ پہلے پورا قرآن مجید سیکھ پھر تجھے فقہ کا یہ مسئلہ بتائیں گے کہ تیرے لیے کتنی

بیویاں جائز ہیں اور کتنی حرام (مشکوٰۃ ص ۲۷۴)

۳-۴-۵: ایک عورت نے غسل احتلام کے متعلق دوسری نے غسل حیض کے متعلق تیسری نے غسل جنابت کے متعلق مسائل پوچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو یہ حکم نہیں دیا کہ پہلے پورا قرآن مجید سیکھ پھر فقہ کے مسائل پوچھ بلکہ آپ نے ہر ایک کو ضروری مسائل سے آگاہ فرمایا (مشکوٰۃ ص ۲۸) بلکہ جس عورت نے بحالت حیض یا بحالت نفاس اسلام قبول کر لیا وہ جب تک پاک نہیں ہوتی تب تک قرآن مجید کی ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکتی لیکن حیض و نفاس طہر و غسل سے متعلق مسائل فقہ ضرور اور فی الفور سیکھے گی۔

۴: حضرت عمیر نے صفوان بن امیہ سے اسلام لانے سے پہلے غزوہ بدر کے بعد کہا "میں مقروض ہوں اور عیال دار۔ ورنہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو مدینے جا کر مار دیتا۔" صفوان نے کہا اگر تو یہ کام کرے تو تیرا قرضہ میں ادا کروں گا اور تیرے بچے میرے بچوں کے ساتھ پلیں گے۔ اس کے بعد عمیر بارادۃ فاسد مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے کی وجہ پوچھی۔ عمیر نے جھوٹ بولا کہ اپنا قیدی چھڑانے آیا ہوں۔ اللہ کی عطا سے غیب جاننے والے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو تو مجھے شہید کرنے کی غرض سے آیا ہے آپ نے صفوان کے ساتھ ہونے والی پوری گفتگو بیان فرمادی۔"

عمر پاک پر سنتے ہی رعشہ ہو گیا طاری

کہ پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبر داری

عمیر نے فی الفور اسلام قبول کر لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا
فَقُلُّوا اٰخَاكُمۡ دِيۡنُهُ فَاٰخِرُ اٰذِۡنِ النَّسْرَانِ۔ اے بھائی عمیر کو دین کے فقہن مسئلے
بتاؤ پھر اسے قرآن مجید پڑھاؤ (تفسیر الیوم لریاض المسائل ص ۱۸۴-۱۸۵ ج ۳)

اس حدیث میں تعدیہ فقہ کو تعلیم قرآن سے پہلے ذکر فرمایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فتاویٰ عالمگیری کا یہ مسند بھی دیگر مسائل کی طرح بالکل درست ہے اور احادیث مبارکہ کے مطابق۔ لیکن وہابیہ اپنی جہالت و ضلالت کے باعث سخن شناسی سے محروم ہیں (العیاذ باللہ) ہمارا مشورہ ہے کہ جس طرح انگریزوں کے ناپاک دور سے پہلے ان کے آباؤ اجداد سنی حنفی تھے یونہی یہ بھی سنی حنفی ہو کر ہمارے بھائی بن جائیں۔ ضد و عناد کو ترک کر دیں کیونکہ

مذہب نہیں سکھاتا حق سے عناد رکھنا

سنی بنو! تو ہوگا ہم تم میں دوستانہ

جواب: فتاویٰ عالمگیری کے مفتی بہا مسائل تمام کے تمام یا قرآن و حدیث سے ثابت ہیں یا اجماع امت و قیاس شرعی سے تو اس مقدس فتاویٰ کو خود ساختہ فقہ سے تعبیر کرنا منکرین کی جہالت و سفاہت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کی علمی و شرعی حیثیت معلوم کرنے کے لیے وہابی حضرات کو ایک طریقہ بتایا جاتا ہے کہ اپنے چھوٹے بڑے تمام مولویوں کو لاہور کے شاہی قلعہ میں بند کر دو۔ در قرآن مجید و کتب حدیث غیر مترجم و غیر محشی ان کے حوالے کر دو اور ایسا زبردست پہرہ لگا دو کہ ان تک کتب فقہ و کتب اصول فقہ وغیرہ میں سے کوئی کتاب نہ پہنچ سکے پھر نہیں کہو کہ ”فتاویٰ عالمگیری“ کی مثل کتاب تیار کرو تو ان کے مولوی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجائیں گے مگر فتاویٰ جیسی کتاب نہ بنا سکیں گے۔

اعراض ۳۹: ہمارے ہاں ایک غیر مقلد وہابی مولوی نے بچو کو حلال قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں مشکوٰۃ سے دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ اور جس حدیث سے بچو کی حرمت ثابت ہوتی ہے اسے سندا کمزور اور مجروح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت میں عبد کریم وغیرہ استاد شاگرد ضعیف ہیں۔ نیز اس نے کہا ہے جو حنفی

بجو کو حلال نہ سمجھے وہ منکر حدیث ہوگا اور منکر حدیث منکر رسول ہوگا اس کے متعلق صحیح تحقیق سے آگاہ فرمائیں ۱۲۔

السائل رحمت علی امام مسجد اہل سنت و جماعت چھینہ ضلع شیخوپورہ:-
 کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ صرف ایک حدیث سے نہیں کیا جاتا
جواب: بلکہ اس کے لیے اس سلسلہ میں وارد ہونے والی تمام حدیثوں کو غور و خوض
 کے ساتھ پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ غیر مقلد وہابی کو بجو کی اباحت سے متعلق مشکوٰۃ
 ص ۲۳۷ والی روایت تو نظر آگئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں جن میں بجو اور
 اس جیسے دیگر تمام ذی ناب درندوں کی حرمت کو بیان فرمایا گیا ہے نظر نہیں آتیں حالانکہ
 وہ حدیثیں بھی مشکوٰۃ شریف میں موجود ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت
 کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
 كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ فَأَكْلُهُ حَرَامٌ جَعَلَنِي بَعِي ذِي نَابٍ دَرَنْدَسٌ هِيَ ان
 میں سے ہر ایک کا کھانا حرام ہے۔ اسی صفحہ پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 فرماتے ہیں۔ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ
 حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر ذی ناب درندے سے منع فرمایا ہے یہ دونوں
 حدیثیں مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۹ میں اور مسلم شریف ص ۱۲۷ جلد ۲ میں موجود ہیں ان سے تفریحاً
 معلوم ہوا کہ ہر ذی ناب درندہ حرام ہے اور بجو بھی چونکہ ذی ناب درندہ ہے لہذا اسے
 بھی باقی ذی ناب درندوں کی طرح حرام ہی سمجھا جائے گا۔ یہی مذہب امام اعظم ابو حنیفہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور اسی پر آپ کے ماننے والے لاکھوں کروڑوں اولیاء علماء اقیام
 صدیوں سے عامل ہیں۔

بروز محشر سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزر سے منصفہ کرنے کے

لیے آزر کو بجو بنا دیا جانے کا (مشکوٰۃ ص ۴۸۳) نیز بجو انسان کا بدترین دشمن ہے زندہ انسان

کا خون پینے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور مردہ انسان کی قبر کھود کر لاش نکال کر بے حرمتی کرتا رہتا ہے (حیوة الحیوان ج ۲ ص ۸۲) پتہ چلا کہ یہ ایک خبیث شے سے اور قرآن مجید نے خبائث کو حرام قرار دیا ہے "يَحْرَمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ" (الاعران ع ۱۹)

حدیث اباحت کا جواب پھر چونکہ اصل اشیا میں اباحت ہے اس لیے ابتداءً بحکم مباح تھا بعد میں حرام ہوا جس طرح کہ شراب ابتداءً اسلام میں مباح تھی بعد میں حرام فرمائی گئی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَرَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ كُلَّ ذِي نَابٍ مِنَ الشَّيْبَاعِ خَيْرِ كَيْ دُنِ هِرْزِيِّ نَابٍ دَرَنْدَسٍ کو حرام قرار دیا تھا۔ (ترمذی ج ۲، متلہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی ابن ماجہ ص ۲۴) معلوم ہوا یوم خیر سے پہلے سب ذی ناب درندے حرام نہ تھے بعد میں حرام ہوئے لہذا وہ روایت جس میں بھوک کی اباحت کا ذکر ہے یوم خیر سے پہلے پر محمول کی جائے گی اور حرمت والی سب حدیثوں کو بعد پر محمول کیا جائے گا۔ ایسا کرنے سے سب حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور تعارض میں الاحادیث کا وہم پیدا نہیں ہوتا۔

غیر مقلد وہابی کی مغالطہ وہی کا رد۔۔ بھوک کی حرمت سے متعلق وہ حدیث جس کی سند میں اسماعیل و عبد الکریم آتے ہیں کی سند کا قوی نہ ہونا ہمارے لیے مضر نہیں کیونکہ جب اوپر ذکر کردہ صحیح المتن قوی الاسناد حدیثوں سے بھوک کی حرمت ثابت ہو چکی ہے تو کسی ایک سند کا کمزور ہونا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بناءً علیہ امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے متن حدیث پر اعتراض نہیں کیا بلکہ صرف سند کے متعلق کہا ہے کہ لَيْسَ اسْنَادُهَا بِالْقَوِيِّ (ترمذی ص ۶) اور علم حدیث و اصول حدیث سے واقفیت رکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ سند کی عدم قوت متن کے ضعف کو مستلزم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر اگر اس سے صحبت کر کے طلاق دے تو اس کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا ورنہ اس کی بیٹی کو نکاح میں لا سکتا ہے اور اگر بیوی کی ماں سے نکاح کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اگرچہ بیوی

کو بغیر صحبت کے ہی طلاق دے دی ہو۔ اس حدیث کو ترمذی نے "لَا يَصِحُّ مِنْ قِبَلِ
اِسْنَادِهِ" کہا ہے (ترمذی ص ۱۳۳ مشکوٰۃ ص ۲۷۵) حالانکہ اس حدیث کا متن و مضمون اتنا
صحیح ہے کہ چوتھے پارے کی آخری آیت کے بالکل مطابق ہے۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان
قفال مروزی اور محمود غزنوی: میں گستاخی کرنے اور آپ کے مذہب مہذب پر

اعتراض کرنے کے لیے درج ذیل مردود حکایت کہتی وہابیوں نے اٹے سیدھے ترجمے کے ساتھ
شائع کی۔ اس وقت ہمارے سامنے ہفت روزہ الاسلام لاہور ہے اور ایک چھوٹی سی رسلیہ۔
ہفت روزہ میں سپرور کے ایک وہابی نے اور رسلیہ میں فیصل آباد جناح کالونی دار القرآن الحدیث
سے متعلق ایک دوسرے وہابی نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے، پہلے ان کا اعتراض سنو پچھو اب

اعتراض: سلطان محمود غزنوی حنفی مسلک تھے اور علم حدیث کے تریس تھے۔ اسی
سلسلہ میں علماء و مشائخ سے احادیث سنا کرتے تھے۔ پس اکثر حدیثوں

کو سلطان نے شافعی مسلک پر پایا۔ اس نے علماء سے مطالبہ کیا کہ دونوں مسلکوں میں جو بہتر
ہے مجھے اس سے آگاہ کیا جائے تو سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دو دور کعتیں دونوں مسلک

کے مطابق پڑھنی چاہیے۔ پس قفال مروزی نے پہلے امام شافعی کے مسلک پر پڑھی۔ جو
احادیث کے مطابق تھی۔ اس کے بعد حنفی نماز کی باری آئی تو قفال نے بغیر نیت کے اٹھا

وضو کیا پانی کی جگہ نبیذ تمر کو استعمال کیا چونکہ موسم صیف (صحت گرمی کا تھا اس
لیے اس کے جسم پر بے شمار مکھیاں اور مچھر جمع ہو گئے۔ پھر اس نے کتے کی وباغت شدہ کھال
پہن لی اور اس کے ایک حصہ کو نجاست سے تر کر کے نماز شروع کی۔ تکبیر کی جگہ خدائے بزرگ کہا اور

قرأت کی جگہ دو برگ سبز کہا (ترجمہ مدح امتان) اور بجائے سجود کے مرغ کی طرح دو ٹھونگے

مارے اور سلام کی جگہ گوز مار دیا۔ پھر کہا اے بادشاہ (ہذہ صلوٰۃ ابی حنیفہ) یہ

ہے حنفی نماز۔ بادشاہ نے ایک نسرانی کو ثواب متاعاً اس لئے انہوں نے قفال کو تصدیق

کی۔ یہ حقیقت دیکھ کر محمود غزنوی حنفیت ترک کر کے امام شافعی والے مسلک پر کاربند ہو گیا
(حیاء الحیوان ص ۲۵۹)

امام الائمہ کاشف الغمۃ سیدنا الامام الاعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
جواب! کی یہ کرامت ہے کہ آپ کے اور آپ کے مذہب مہذب کے خلاف گھڑی ہوئی
یہ رام کہانی اپنے منگھڑت و جھوٹا ہونے پر خود ہی کئی وجوہ سے دلالت کرتی ہے۔
اولاً: ابن کثیر نے "فقال مروزی" کے متعلق لکھا ہے کہ وہ پہلے افعال یعنی تالے بنایا کرتے
کرتے تھے پھر پڑھائی کی طرف مائل ہوئے تو علم و زہد میں حفظ و تصنیف میں وہ "مذہب
شافعی" کے اکابر اماموں میں شمار کئے گئے۔ اور "طریقہ خراسانیہ" کے منسوب الیہ قرار پائے
(الہدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۰) تو جو شخص شافعی المذہب ہو اور اتنی بڑی عالی صفات سے
موسر ہو وہ اماموں کے امام فقیہوں کے استاذ محدثوں کے مقتدا مفسروں کے
راہنما حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان اقدس میں گستاخی
نہیں بک سکتا بلکہ تعریف و توصیف ہی کرے گا۔ کیونکہ شوافع کے امام سیدنا محمد بن ادریس
شافعی امام اعظم کی تعریف میں خود فرماتے ہیں (۱) النَّاسُ عِبَادُ عَلِيِّ ابْنِ حَنِيفَةَ فِي الْفِقْهِ۔
فقہاء و معتہدین سب کے سب فقہ میں امام ابو حنیفہ کے بال بچے ہیں۔

(۲) مَنْ ارَادَ أَنْ يَتَحَرَّرَ فِي الْفِقْهِ فَهُوَ عِبَادُ عَلِيِّ ابْنِ حَنِيفَةَ جَوْشَخْصِ فَقْهِ وَ
ابتہار میں تبحر بنا چاہے اسے امام ابو حنیفہ سے بچوں کی طرح پرورش پانی چاہیے (تیسف العجیف)
امام عبدالوہاب الشمرانی: رقمطرازہ ہیں کہ (۱) امام ابو حنیفہ کا کوئی قول قرآن و حدیث
کے مخالف نہیں (ص ۴۳) (۲) وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ہم اس کا جواب
قرآن مجید میں تلاش کرتے ہیں نہ ملے تو حدیث شریف میں تلاش کرتے ہیں نہ ملے تو صحابہ کرام کے
فیصلوں میں تلاش کرتے ہیں نہ ملے تو مسئلہ "منطوق بہا" پر مسئلہ "مسکوت عنہا" کو قیاس

کرتے ہیں بشرطیکہ دونوں کی علت ایک ہو (صج ۱/۴۵) (۳) اندر میں حالات قیاس کرنا امام ابوحنیفہ کے ساتھ مختص نہیں دیگر فقہاء بھی ان کے مضائق میں قیاس کیا کرتے ہیں (صج ۱/۴۶) (۴) امام شافعی اور امام مالک کے مقلدین اگر انصاف کریں تو وہ امام ابوحنیفہ کے کسی قول کی تضعیف نہیں کر سکتے (صج ۱/۴۳) (۵) ہم نے امام ابوحنیفہ کی مسانید کا مطالعہ کیا ان کی روایت کردہ ہر حدیث کو صحیح پایا (صج ۱/۶۱) (۶) امام ابوحنیفہ کی یہ عادت تھی کہ جو مسئلہ کتاب و سنت سے مستنبط فرماتے پہلے اسے اپنے معاصر علماء پر پیش کرتے جب سب علماء متفق ہو جاتے تو اس کے لکھنے کا حکم دیتے (صج ۱/۵۹) (۷) بلکہ ان کو نیز دیگر مجتہدین کرام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت حضور ہی حاصل تھی جب کوئی مسئلہ استنباط فرماتے تو روحانی طور پر بارگاہ اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کرتے کہ یا رسول اللہ ہم نے فلاں آیت یا فلاں حدیث سے یہ مسئلہ سمجھا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ (صج ۱/۴۲) (۸) میرے مرشد گرامی حضرت علی الخواص کے روبرو ایک دفعہ ایک شخص نے کہا: "فی ہذا الحدیث ردّ علی ابی حنیفہ" اس حدیث میں ابوحنیفہ کا رد ہے۔ یہ گستاخانہ فقرہ سنتے ہی فرمایا قطع اللہ لسانک اللہ تیری زبان کاٹے۔ تو امام ابوحنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے (صج ۱/۴۳) (۹) ایک بے ادب نے میرے سامنے امام ابوحنیفہ کے تلامذہ کی شان میں گستاخی کی۔ میں نے روکا پر نہ رکھا اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں یہ سزا دی کہ سیڑھی کے اوپر ت ایسا گرایا کہ ہڈی ٹوٹ گئی اس نے چاہا کہ میں اس کی عیادت کو جاؤں مگر اس کے بے ادب ہونے کی وجہ سے نہ گیا بالآخر وہ اس بُری حالت میں مر گیا (صج ۱/۶۵) (۱۰) امام فخر الدین رازی (مثلہ القفال المروزی) امام ابوحنیفہ کے سامنے ایسے ہیں جیسے استاذ کے سامنے کوئی شاگرد یا سلطان اعظم کے سامنے کوئی فرد رعیت یا سورج کے سامنے کوئی تارا (صج ۱/۶۳)

شافعی المذہب تھے مگر اپنے رسالہ الاکمال فی اسماء الرجال میں

صاحب مشکوٰۃ: مشکوٰۃ میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں بہترین

الفاظ میں ہدیہ ہائے عقیدت پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اَنْفَوْضَ بِاِيْرَادِ ذِكْرِهٖ
فِي هٰذِهِ الْكِتَابِ لِتَبْرِكَ بِهٖ۔ اس جگہ امام ابو حنیفہ کا تذکرہ صرف حصول برکت
کے لیے کیا گیا ہے (ص ۶۲۵)

ثانیاً: جس وضو اور جس نماز کی نسبت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کر کے کہا گیا
ہے کہ ”هٰذِهِ صَلَوَةٌ اَبِيْ حَنِيفَةَ“ اس وضو اور اس نماز سے حضرت امام کی پوری زندگی
نا آشنا ہے آپ نے نہ کبھی ایسا وضو کیا نہ کرنے کا حکم دیا نہ کبھی ایسی نماز پڑھی نہ پڑھنے کا
امر فرمایا۔ آپ کی سیرت پر متعدد کتب شافعی المذہب حضرات نے بھی لکھی ہیں لیکن ایسے وضو
اور ایسی نماز کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس تحریر فرماتے ہیں کہ

ع: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس سال تک مسلسل شب بیداری
فرمائی اور عشاء کے وضو سے نماز صبح پڑھی (تبییض الصحیفہ ص ۱۹ الخیرات الحسان مترجم ص ۸۱)
۲: نماز میں بھی اور تلاوت قرآن مجید کے وقت بھی آپ پر رقت طاری ہوا کرتی کہ
دیر تک رویا کرتے (تبییض ص ۱۹)

۳: ایک دفعہ ایک نماز پڑھانے والے نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) ہرگز اللہ کو
بے خبر نہ جاتا ظالموں کے کام سے (ابراہیم ع ۱ آیت ۱) تو حضرت امام کا سارا بدن خوفِ خدا
سے کانپنے لگا (الخیرات ص ۸۹)

۴: یونہی ایک دفعہ نماز عشاء میں سورہ ”اِذَا زُلْزِلَتْ“ کی تلاوت سن کر
شب بھر ٹھنڈی سانسیں بھرتے رہے اور اس کی آخری آیتوں کا مضمون دہرا دہرا
کر دعا کرتے رہے کہ ”اے وہ جو ذرہ بھر نیکی کی جزا اور ذرہ بھر بدی کی سزا دے گا اپنے
بندے نعمان کو آگ سے بچا۔ (تبییض الصحیفہ ص ۳۴۔ الخیرات ص ۸۸)

ثالثاً: حنفی مذہب پر آج تک ہزاروں نہیں لاکھوں کتابیں مختلف زبانوں میں چھوٹی
بڑی لکھی جا چکی ہیں لیکن کسی کتاب میں ایسا وضو کرنے اور ایسی نماز پڑھنے کا حکم نہیں ملتا بلکہ

اس وضو اور اس نماز کو نہ کسی حنفی نے فرض کہا ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو کسی معتبر کتاب کے حوالہ سے ثابت کریں۔ اور العام پائیں ورنہ چھوٹے لوگ ہر روز سب مل کر ۹۹۹۹ مرتبہ "لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ" پڑھ کر اپنے پر دم کر لیا کریں۔

رابعاً؛ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو اس وقت کے اکابر علماء و احناف دوسرے فریق کو ہرگز معاف نہ کرتے بلکہ شاہی دربار میں اس کی خوب مرمت فرماتے کہ "ابے اوقفال" جب تو نے مذہب شافعی کے مطابق وضو کرتے اور نماز پڑھتے وقت سنن و مستحبات کا التزام اور مکروہات سے اجتناب کیا ہے تو مذہب حنفی کا نقشہ پیش کرتے وقت اس التزام و اجتناب سے کیوں گریز کیا؟ یہاں سنن و مستحبات پر کیوں عمل نہ کیا اور مکروہات کو کیوں نہ چھوڑا؟ پرے ہٹ! ہم اپنے مذہب مہذب کے مطابق وضو کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں سب کی آنکھیں کھل جائیں اور ظاہر ہو جاتا کہ حنفی مذہب سب سے اعلیٰ سب سے ستھرا سب سے احوط اور سب سے ازکی ہے کیونکہ

"حنفی وضو" میں چار فرض ۱۴ سننیں تقریباً، مستحبات اور ۲۰ مکروہات ہیں اور "حنفی نماز" میں شروط صحت کے علاوہ، فرض ۴۹ واجب، ۹ سننیں ۱۵ مستحبات ۲۲ مکروہات تحریمیہ اور ۶۰ مکروہات تنزیہیہ ہیں۔

(بہار شریعت ص ۱۸ ج ۲ ص ۳۲ تا ۳۴ ج ۳)

ان سب کی رعایت کی جائے تو وضو سب سے بہتر اور نماز سب سے خوب تر ہو جاتی ہے اس سے اعلیٰ نہ وضو متصور ہو سکتا ہے نہ نماز۔ (لہ الحمد والمنة کہ ہم اسی مذہب کے پیروکار ہیں) وضو کرتے وقت نیت کرنا۔ بسم اللہ شریف پڑھنا جس ترتیب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے (سورۃ المائدہ ۶۱ میں) مفسول و ممسوح اعضاء کا ذکر فرمایا ہے اس ترتیب کے ساتھ اعضاء دھونا مسح کرنا۔ بوقت مضمضہ و استنشاق پہلے منہ

میں پھرناک میں پانی ڈالنا۔ پورے سر کا ایک بار مسح کرنا۔ یہ سب امور عند الاحناف وضو میں سنت ہیں اور ان کا ترک مکروہ ہے۔ (مہار شریعت ص ۱۹) قصہ مذکورہ میں مستحبات کے ترک کے علاوہ ان سنتوں کو چھوڑ کر متعدد مکروہات کا ارتکاب کیا گیا ہے اسے "حنفی وضو" کا نقشہ نہیں کہا جاسکتا۔

حنفی نماز: میں سورۃ فاتحہ کی سات آیات میں سے ہر ایک کا پڑھنا، پھر ایک چھوٹی سورۃ یا تین چھوٹی آیتیں یا ان کے برابر ایک بڑی آیت متصلاً پڑھنا۔

رکوع، قومہ، جلسہ اور ہر سجدہ میں اس قدر ٹھہرنا کہ تمام اعضاء اپنی جگہ قرار پکڑ لیں۔ آخری تشهد پڑھ کر دوبار سلام کہنا، یہ سب امور نماز میں واجب ہیں۔ قصہ مذکورہ میں سنن و مستحبات کے ترک کے علاوہ ان واجبات کو چھوڑ کر ایسی نماز پڑھی گئی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا عند الاحناف واجب ہے نہ صرف واجب بلکہ فرض ہے کیونکہ اس چھوٹی کہانی میں حنفی نماز کا نقشہ مفروضہ نیت نماز سے بھی خالی ہے اور رکوع سے بھی۔ حالانکہ عند الاحناف نیت شرط ہے اور رکوع فرض و رکن۔ شرط و فرض کے بغیر نماز ہرگز نہیں ہوتی۔ تو اس نماز کو حنفی نماز قرار دینا کسی طرح درست ہو سکتا ہے؟ حنفی مذہب پر بہتان تراشی کی اس سے بدتر کیا مثال ہوگی؟ کیا مخالفین کے مذہب میں بہتان تراشی کے سوا کچھ نہیں ہے؟

تن کے اجلو من کے کالو کیا یہی اسلام ہے؟

مخالفین کے دام تزویر میں پھنسنے والے عوام بیچاروں نے بارہا ہم حنفیوں کو وضو کرتے اور نماز پڑھتے دیکھا ہوگا۔ کیا کسی نے کسی حنفی کو ایسا وضو کرتے اور ایسی نماز پڑھتے دیکھا ہے؟ کیا مخالفین کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ منگھڑت کہانی کافی نہیں ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (۱) دِبَاغُ الْأَدِيمِ طَهُورَةٌ۔

(۲) دِبَاغُ جُلُودِ الْمَيْتَةِ طَهُورٌ هَا (۳) دِبَاغُ كُلِّ إِهَابٍ طَهُورَةٌ۔

(۴) زَكَاةُ الْمَيْتَةِ دِبَاغُهَا (۵) زَكَاةُ كُلِّ مَسْكٍ دِبَاغُهُ (الجامع الصغير ص ۱۴-۱۹) (۶) دِبَاغُ

الْمَيْتِ وَزَكَاةً لَهُمْ مَكْرَهُ (کنوز الحقائق علی ہامشہ ص ۱۲۹) (۷) اِذْ ذُبِحَ الْاِهَابُ فَقَدَّ لَهُمْ
(۸) اَمْرًا نُسْتَمْتَعُ بِجُلُودِ الْمَيْتَةِ اِذَا ذُبِغَتْ (مشکوٰۃ ص ۵۲-۵۳)

یہ آٹھ حدیثیں ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مردار جانور کے چمڑا کی دباغت کی جائے
تو چمڑا پاک ہو جاتا ہے ماکول اللحم جانور کا ہو یا غیر ماکول کا۔ اور قرآن مجید میں خنزیر کو چونکہ
نجس العین قرار دیا گیا ہے (الانعام ص ۱۳۹) بنا بریں قرآن و حدیث میں فرق مراتب کا لحاظ
رکھتے ہوئے حنفی علماء خنزیر کو حکم بالا سے مستثنیٰ کر کے فرماتے ہیں کہ اس کا چمڑا دباغت
سے پاک نہ ہوگا۔ اور کتا چونکہ خنزیر کی طرح نجس العین نہیں اس سے شکار کرنا بھی جائز
ہے اور مولیٰ کی حفاظت بھی اس لیے اسے احادیث مبارکہ کے حکم سے مستثنیٰ نہیں کرتے
بلکہ فرماتے ہیں کہ اس کا چمڑا بھی دیگر حرام مردار جانوروں کے چمڑوں کی طرح دباغت سے پاک
ہو جاتا ہے۔ لیکن حنفی مذہب کی کتب قدیمہ یا جدیدہ کسی میں یہ فتویٰ درج نہیں کہ بوقت
نماز کپڑے اتار لیے جائیں اور کتے کی دباغت شدہ کھال پہن لی جائے۔ قصہ مفروضہ میں ذکر
کردہ نماز کسی مسخرے نقال کی نماز تو ہو سکتی ہے حنفی نماز نہیں۔ البتہ حنفی علماء یہ فتویٰ
ضرور دیں گے کہ اگر کسی کے پاس کپڑے بالکل نہ ہوں۔ صرف کتے کی دباغت شدہ کھال
ہو تو وہ تنگ ہو کر نماز نہ پڑھے بلکہ اس کھال سے ستر چھپا کر پڑھے۔ کیا "نقال" مذہب
شافعی کے مطابق نماز پڑھنے کے بعد تنگ کر دیا گیا تھا کہ اسے کھال کی ضرورت پیش آئی؟

(۹) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس
نبیذکر ﷺ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جس رات جن حاضر ہوئے اس

رات مجھ سے پوچھا "مَا فِي اِذَا ذُبِحَتْ" تیرے برتن میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ برتن
میں نبیذ ہے۔ فرمایا تَسْمُرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُورٌ۔ کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے
والا۔ ذَا ذُبِحَ الْمَصَابِيحُ وَتَوَضَّأَ مِنْهَا پھر آپ نے اس نبیذ سے وضو فرمایا (مشکوٰۃ
ص ۱۱) اس حدیث کے پیش نظر حنفی علماء فرماتے ہیں کہ بحالت

سفر اگر نماز کا وقت آجاتے اور صاف ستھرا پانی میسر نہ ہو صرف "نبیذ تمر" ہو یعنی وہ پانی موجود ہو جس میں چند کھجوریں ڈال دی گئی تھیں تو اگر کھجوریں تاہنوز اچھی طرح نہیں گھلیں اور پانی کی رقت وسیلان میں فرق نہیں آیا (گاڑھا نہیں ہوا) تو بجائے تیمم کے اس پانی سے وضو کرے (ردالمحتار ص ۱۵۲) "فرضی نقال" نے جب بمطابق مذہب شافعی وضو کر لیا تھا۔ تو اس وضو سے حنفی نماز بھی پڑھ سکتا تھا نئے وضو کی کیا ضرورت تھی؟ نیز جب وہاں صاف ستھرا پانی موجود تھا تو اس کی موجودگی میں حنفی علماء نبیذ سے وضو کرنے کی کب اجازت دیتے ہیں؟

(۷) مسئلہ سننر پڑھتے وقت نجاست آلود کر لیا جائے (معاذ اللہ) یہ کسی بہت بڑے جھوٹے، بہت بڑے نقال، بہت بڑے مسخرے، اور بہت بڑے مفتری نے ہم پر افترا باندھا ہے بلکہ حنفی علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بالکل برہنہ ہو اسے پاک کپڑوں کی بجائے ایسا پلید کپڑا کہیں سے دستیاب ہو جائے جس کی صرف ایک چوٹھائی پاک ہے تو وہ برہنہ نماز پڑھنے کی بجائے کپڑا پہن کر پڑھے (ردالمحتار ص ۲۷۶ ج ۱ بہار شریعت ص ۳۸ ج ۲)

(۸) **مُدْ هَامَتَانِ** کا ترجمہ (دو برگ سبز) جو منگھڑت حکایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ عالمانہ نہیں جاہلانہ ہے۔ کیونکہ "مُدْ هَامَتَانِ" تشبیہ ہے

اس کا مفرد مُدْ هَامَةٌ اور مصدر "اِذْ هَيْمَامٌ" ہے مصدر کا ترجمہ "سیاہ شدن" ہے، کہا جاتا ہے اِذْ هَامَ الشَّيْءُ اِذْ هَيْمَامًا اِذَا اسْوَدَّ اور مُدْ هَامَةٌ اس باغ کو کہتے ہیں جو بسبب سخت سبز ہونے کے مائل بسیاہی ہو (قاموس ص ۸۱) تو مُدْ هَامَتَانِ کا ترجمہ "دو برگ سبز" نہیں بلکہ یہ ہے "دو جنتیں جو اس قدر سبز ہیں کہ سیاہی کی جھلک دیتی ہیں" نیز مُدْ هَامَتَانِ "کا موصوف "جَنَّتَانِ" قرآن مجید میں صراحتہً مذکور ہے (الرحمن ع ۷) تو اپنی طرف سے "وَدَقَّتَانِ" مقدر ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ "وَدَقَّتَانِ"

کو اس کا موصوف بنانا درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ صرف دوپتے سیاہی کی جھلک نہیں دے سکتے اس کے لیے لاتعداد پتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور دو جنتوں کا لاتعداد ہرے پتوں پر مشتمل ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے۔

(مکاشہ مصروح فی الاحادیث النبویۃ صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہا)

عج (۹) جو شخص عربی پر قادر ہو اس کا غیر عربی میں نماز کے اندر قرآن مجید پڑھنا حجتی نماز: عند الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرجوع عنہ ہے اور ناجائز (توضیح

تلویح ص ۶۹ نسائی ص ۳۲۵ ہدایہ ص ۱۳۱) تو جس قول سے رجوع فرمایا گیا ہو اسے نشانہ اعتراض بنانا اور ”دو برگ سبز“ کہنے کو کافی سمجھنا اور درست جاننا جہالت و حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ جس طرح نص منسوخ پر کوئی ذی ہوش تنقید نہیں کر سکتا یونہی مجتہدین کے اقوال مرجوع عنہا پر کوئی عقلمند معترض نہیں ہو سکتا۔ خدا معلوم ”فرغی نقال“ کے اس ناپاک ڈرامے کو ترتیب دینے والے عقل دشرد سے کیوں محروم کر دینے گئے ہیں۔

(۱۰) نیت وضو: نیت وضو کے کوئی خاص الفاظ نہیں ہوتے کہ اگر آواز اندر پڑھے جائیں تو وضو با نیت ہوگا ورنہ بے نیت۔ بلکہ دل سے نیت کا قصد کرنے کا نام نیت ہے۔ اور وضو بے نیت کی صورتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص نہر کے یا تالاب کے کنارے کھڑا ہو یا جا رہا ہو اور اچانک پانی میں گر پڑے یا کوئی اور اسے دھکا دے کر پانی میں گرا دے یا کوئی شخص تیز باتیں کرے اور اس کے پاس سے اعضائے وضو پر پانی بہہ پڑے یا صرف تبرید اعضا یا نہ ف ازالہ کے لیے پانی بہائے یا مل جل کر دھوئے تو اس کے وضو کو وضو کے نیت کہیں گے گا۔ اگر کوئی شخص وضو کے لیے پانی منگائے یا خود برتن میں داسے یا کسی کے گھونٹے سے پانی یا ٹونٹی کھولے تو اس کے وضو کو وضو بے نیت نہ کہیں گے۔ نیت کا یہی وہی حال

کے جس دنو۱ بالنبیدہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ وضو بے نیت نہیں ہو سکتا کیونکہ جب اس نے خود نبیدہ منکایا اور بڑی ہو کشیاری کے ساتھ اپنی عادت اور تمام مسلمانوں کی عادت کے خلاف سنن مستحبات کو چھوڑتے اور مکروہات کے مرتب ہوتے ہوئے الٹا وضو کیا تو اس کے وضو کو وضو بے نیت کہنا کیونکہ درست ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر وہاں نبیدہ کوئی تلاب ہوتا اس میں اس نعال کو کوئی مسخرہ ساحر اچانک پھینک دیتا اور اپنے سحر کے ذریعہ پہلے اس کا صرف بائیں پاؤ ڈوبنے دیتا پھر دایاں پھر صرف بائیں پاؤ ڈوبنے دیتا پھر دایاں پھر صرف منہ کا بائیں نساؤ ڈوبنے دیتا پھر دایاں پھر صرف ناک میں نبیدہ چھڑھنے دیتا پھر منہ میں پھر سر کی الٹی طرف خود سی ہاتھ سے مسح ہونے لگتا تو اس وضو کو الٹا بھی اور بے نیت ہی کہہ سکتے تھے لیکن یہاں یہ صورت پیش نہ آئی تو اس وضو کا بے نیت ہونا باطل ٹھہرا۔ معلوم ہوا کہ یہاں اناظر بنی اللہ تعالیٰ اعزہ کے دشمن عقل کے بھی دشمن ہوتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

حدیث میں تہذیب کوئی شخص نماز کے اخیر بمقدار تشہد بیٹھ کر سلام مسند تشہد یا پھیرنے سے پہلے دنو توڑ دے (فقد جازت صلواتہ) تو اس کی نماز بائز ہوئی مشکوٰۃ ص ۹۵ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا تحریمہا (الصلوۃ: التکبیر و تحنیلہا التسلیم تکبیر کہنا نماز میں داخل ہونا ہے اور سلام پھیرنا نماز سے نکلنا ہے) (البدو داود ص ۹۱ ج ۱۔ ترمذی ص ۱۱) پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض سورتوں میں سلام پھیرنے کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے اور دوسری حدیث سے پتہ چلا کہ سلام پھیرنا ضروری ہے۔ دوسری حدیث بنسبت پہلی حدیث کے قوی ہے (ترمذی ص ۳۲۳ ج ۱) اور اسی قوی روایت کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرام نے ہمیشہ عمل فرمایا اور اپنے عمل سے اسے قوی تر بنایا۔ اور پہلی کے متعلق مشکوٰۃ میں حوالہ ترمذی مذکور ہے کہ اس کی سند قوی نہیں باعتبار سند کے مضطرب ہے۔ سند کی بنا پر مضطرب کث اور سند ہی کی بنا پر کمزور بتانے سے پتہ چلا کہ پہلی حدیث متن و مضمون

کے لحاظ سے نہ مضطرب ہے نہ کمزور۔ بلکہ امام طحاوی نے اس کی متعدد سندیں ذکر فرمائی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث اپنی متعدد سندوں کی وجہ سے ضعیف نہیں "حسن" ہے (طحاوی ص ۱۶۲ مرقاة ص ۱۸) اور چونکہ حدیث "حسن" بھی احتجاج کے لائق ہوتی ہے اس لیے پہلی حدیث کو محض بیکار اور نرمی باطل نہیں کہہ سکتے بلکہ دونوں میں حسب قواعد محدثین تطبیق دیں گے۔ حنفی علماء ان میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث کے پیش نظر دونوں طرف سلام پھیرنا واجب ہے۔ جس نے سلام نہ پھیرا اور سلام کے بغیر وضو توڑ دیا اس نے دو واجب ترک کئے اس پر اس نماز کا اعادہ واجب و ضروری ہے۔ اور پہلی حدیث کے جملہ (جَازَتْ صَلَوَتُهُ) کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی نماز بالکل بلا کراہت و بلا گناہ جائز ہوگئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس نے سلام نہ پھیرا اور نماز کے اخیر پہنچ کر وضو توڑ دیا تو اس کی نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہوئی ہے اور جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے (رد المحتار ص ۱۶۲) لہذا دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا اور دونوں میں من حیث المفہوم اتحاد ہو گیا۔ حنفی علماء نے کسی کتاب میں یہ حکم نہیں دیا کہ سلام نہ پھیرا کرو اور اس کی جگہ وضو توڑ دیا کرو۔ یہ عظیم بہتان ہے جس سے صرف شیطان کو خوش کیا گیا ہے نیز یہ اعتراض بظاہر علمائے احناف پر ہے اور دراصل حدیث شریف پر ہے کیونکہ علماء نے حدیث ہی کی وضاحت فرمائی ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ جزاءہم اللہ خیر الجزاء۔

نوٹ ۱ پیٹ کی ہوا آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب چاہا دھماکہ کر دیا اور جب چاہا بے آواز نکال دی۔ خصوصاً زاہدین کرام کہ ان کے پیٹ اس بدبو کے ذخیرے سے پاک ہوتے ہیں نہ زیادہ کھاتے ہیں۔ نہ ہوا کا دباؤ بڑھتا ہے۔ جب قفال مروزی کا زاہد ہونا بوالہ بن کر گزر چکا ہے تو پھر ضراط در صلوة کو ان کی ذات کی طرف منسوب کرنا جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔
فقہی عبارات؛ صحیح سمجھ حاصل کرنے کے لیے صرف عربی دان ہونا کافی نہیں بلکہ علمائے

فقہار سے واقف ہونا بھی ضروری ہے ایک شخص نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس پر اعتراضات کیے اور اعتراض نامہ محقق مذاہب اربعہ سیدی عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مِثْلُكَ يَضَاهُمُ كَلَامُ الْإِمَامِ حَتَّى يُرَدَّ عَلَيْهِ۔ تجھ جیسا حضرت امام کا کلام سمجھ سکتا ہے؛ کہ ان پر اعتراض کیے۔ (المیزان ص ۶۴) جب اصطلاحات سے ناواقف شخص مسلمان ہونے کے باوجود کلام امام نہ سمجھ سکا تو مردود نصرانی کی عقل نارسا اور فہم ناقص کی کیا مجال کہ حضرت امام کے عرشِ تحقیق تک پہنچ سکے اور صحیح مسئلہ سمجھ کر دوسروں کو سمجھا سکے۔ نیز نصرانی کافر ہے اور حکیم قرآن مجید "الفضالین" میں داخل اور "فَاتَّكُمُ اللَّهُ" کا مصداق ہے تو یہ کیسے مانا جائے کہ احناف شوافع کے مقتدر علمائے اس کافر کو ثالث تسلیم کر لیا تھا۔ اگر کوئی ایسا قصہ پیش آیا ہوتا تو حضرت ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ثالث بنایا جاتا جن سے بادشاہ کو بڑنی عقیدت تھی اور جن کے مقدس پیراہن کی برکت و وسیلہ سے سومنات فتح ہوا تھا حالانکہ شاہی فوج بالکل بے بس ہو چکی تھی (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۷)۔

کذب بیانی؛ گرم لوسے مچھر بھی مرجاتے ہیں اور مکھیاں بھی۔ اور "حیوۃ الحیوان" صمیم الصیف کے معنی شدید گرمی کے ہیں۔ (قاموس ص ۱۳۶) جبکہ
 میں لکھا ہے کہ جس موسم میں یہ دونوں موجود ہوں اس وقت مکھیاں مٹھاس پر صرف دن کو جمع ہوتی ہیں رات کو نہیں اور مچھر صرف رات کو دھاوا بولتے ہیں دن کو نہیں (ص ۲۵۵-۲۹۶ ج ۱) نیز تلاوت بالجہر صرف رات کی نمازوں میں ہوتی ہے دن کی نمازوں میں نہیں۔ تو قصہ مذکور میں ان چاروں (۱۔ شدید گرمی۔ ۲۔ مچھر۔ ۳۔ مکھیاں۔ ۴۔ تلاوت بالجہر) کے بیک وقت جمع ہونے کا تذکرہ ہی اس کے جھوٹا ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقدس پیغمبروں میں سے کسی ایک کا منکر و کافر سب کا منکر و بے ادبی؛ کافر سمجھا جاتا ہے۔ یونہی اولیاء کاملین میں سے کسی ایک کا بے ادب و گستاخ

اسب کا بے ادب و گستاخ قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اس فرضی حکایت کے گھرنے والے نے جب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بکواسات کیں تو اس نے امام شافعی علیہ الرحمۃ کو بھی معاف نہ کیا۔ ان کی ذات اقدس کی طرف بھی اس بد نصیب نے بہت پڑے گناہ کی نسبت کر دی۔ لکھتا ہے کہ ”تقال مذکور“ مذہب شافعی کے مطابق نماز پڑھتے ہوئے ایسے آداب بجالایا کہ (لا یجوز الشافعی دونہا) ان کے بغیر امام شافعی کے اعتقاد میں نماز جائز نہیں ہوتی۔ حالانکہ آداب نماز کو وہ درجہ ہرگز حاصل نہیں کہ ان کی بجا آوری کے بغیر نماز ہی درست نہ ہو بلکہ ایسا اعتقاد بجائے خود بہت بڑا گناہ ہے۔ دیکھئے امام کا نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں طرف منہ پھیر کر بیٹھنا آداب میں سے ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر ایسا ہی کیا ہے (مشکوٰۃ ص ۸۷) لیکن اسے فرض و واجب جاننا شدید گناہ ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود نے ائمہ مساجد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ لَا یَجْعَلْ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنَ الصَّلَاةِ يَرْمِي أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصَرِفَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ۔ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں سے شیطان کو کچھ نہ دے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ نماز سے فارغ ہو کر دائیں طرف منہ پھیر کر بیٹھنا واجب و فرض ہے (مشکوٰۃ ص ۸۷) معلوم ہوا کہ ادب نماز کو فرض کا درجہ دینا شیطانی کام ہے۔ امام شافعی اس سے محفوظ ہیں مفتزی بد نصیب نے ان پر افترا باندھا ہے۔

قرآن و حدیث نے ہمیشہ سچ بولنے اور جھوٹ چھوڑنے کا حکم **جھوٹ ہی جھوٹ** دیا ہے کیونکہ جب ایک جھوٹ بولا جائے تو اسے سچ ثابت کرنے کے لیے اور کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں چنانچہ مندرجہ جھوٹی حکایت میں جھوٹوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اور کئی طرح کے جھوٹ بولے گئے۔

• ایک رسیلیہ میں فیصل آبادی وہابی نے حنفی نماز کے نقشہ میں رکوع کا ذکر کیا ہے حالانکہ اصل عربی عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ رکوع کیا جائے۔

• یونہی اس نے نبیذ تم کا ترجمہ گاڑھا شربت کیا ہے حالانکہ نہ نبیذ کا یہ ترجمہ ہے نہ اُسے نبیذ مستلزم ہے بلکہ کھجور کے پتلے پانی پر بھی نبیذ کا اطلاق ہو سکتا ہے نیز عند الاطعمہ شربت سے وضو جائز نہیں۔ (ردالمحتار ص ۱۵۲)

• ھذیہ صلوٰۃ ابی حنیفۃ کا ترجمہ رسلیہ میں لکھا ہے۔ یہ ہے حنفی مذہب کی کم از کم جائز نماز۔ اور پسروری وہابی لکھتا ہے۔ یہ ہے حنفی نماز۔ یہ دونوں ترجمے غلط ہیں۔ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ یہ ابو حنیفہ کی نماز ہے (وہ یونہی پڑھا کرتے تھے) معاذ اللہ۔

• رسلیہ میں "مذہب الشافعی" کا ترجمہ عمل بالحدیث کیا گیا ہے حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ قرآن مجید حدیث شریف اجماع امت اور قیاس شرعی سے ثابت شدہ ان مسائل کے مجموعہ کا نام "مذہب الشافعی" ہے جنہیں حضرت امام شافعی نے استنباط فرمایا۔ اور ان کے مقلدین نے ان مسائل میں ان کی تقلید کی۔

• پسروری وہابی نے "مذہب ابی حنیفۃ" کا ترجمہ حنفیت کیا ہے اور "مذہب الشافعی" کا ترجمہ امام شافعی والے مسلک پر کاربند ہونا۔ حالانکہ جب اس نے پہلے لفظ کا ترجمہ حنفیت کیا ہے تو دوسرے کا "شافعیت" کرنا چاہیے تھا۔ مگر یہ انداز صرف اس لیے بدلا گیا۔ تاکہ پڑھنے والا دھوکا کھائے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ سلطان نے بقول ان کے شافعیت اختیار کی تھی۔ جو کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کی تقلید سے عبارت ہے جسے شرک ثابت کرنے کے لیے اپنے دلوں کی طرح سینکڑوں صفحات کالے کر دیئے گئے اور پھر بھی نامبرو رہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے ہے

• پسروری وہابی نے "تفال" کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے امام شافعی کے وقت پر نماز پڑھی جو احادیث کے مطابق تھی حالانکہ عربی عبارت میں کوئی لفظ "تفال" کا ترجمہ "احادیث کے مطابق تھی" کیا جائے۔

سے کسی ایک

اس کے ال کا سن اظہار ظاہر ہو جائے مگر سپروری وہابی نے عیا بھی سے کہا
 اس وقت میں اپنی طرف سے تصرف کیا اور ضمیرِ ثننیہ "عہما" کو ضمیرِ مفردہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کے لیے لیا جس سے کلمہ دعائیدہ صرف حضرت امام شافعی سے مختص ہو گیا۔ یہ فریب گوارا
 ہی مثال ہے۔

دلیل: جب یہ حکایت اس قدر جھوٹی ہے تو اسے "حیوة الحیوان" میں جگہ کیوں دی گئی،
 اور جب مصنف نے اسے اثباتِ مسئلہ کے لیے ذکر نہیں کیا بلکہ رد کرنے کے لیے ذکر
 کیا ہے چنانچہ انہوں نے "غیر مستقیم" کہہ کر اس مردود حکایت کو نادرست قرار
 دے دیا ہے مگر مخالفین اپنی بد فہمی کی بنا پر رد کرنے والے کو راوی سمجھ رہے ہیں سے

راڈ کو اس کا راوی گائیں

کیا بے پر کی اڑاتے یہ ہیں

یہ مذکور میں اور بھی کئی جھوٹی کہانیاں ذکر کر کے ان کا رد کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہابی
 کہتے ہیں اِنَّمَا ذَكَرْتَهُ لِأَنَّه عَلَى أَنَّهُ لَا يَفْتَقِدُ صِحَّتَهُ مِنْ نِيَّةِ كِبَانِي اس لیے
 اسے تاکہ اس کا رد کر کے غنہ کروں کہ اس کی صحت کا اعتماد نہیں رکھنا چاہیے۔
 حیوان ص ۷۶

اس منگھڑت حکایت سے وہابی ہفت روزہ نام نہیں کر

بیروں کی ناکامی: "الاسلام" نے ثابت کرنا چاہا کہ وہابی مذہب بھی پرانا

اور ان کا یہ دعویٰ غلط اور غیر ثابت ہے کیونکہ محمود غزنوی علیہ الرحمۃ حنفی المذہب
 کے مخالف مروزی "شافعی المذہب" وہ سیدنا امام الاعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ
 کے مقلد تھے اور یہ سیدنا امام الشافعی علیہ الرحمۃ کے۔ مذہب غیر مقلد

۱۰
 اس وقت تک کہ پیر و کار اگر گناہ و گنہگار
 ہوں تو اس شکل میں پیش ہوتا۔ نقال پہلے آگے
 پہنچنے کے ساتھ کھانا پھر پھر پانچوں میں پھر پھر
 اور پھر اس کے ایک حصہ پر بیٹھنے کی منی وہ
 راب پھر تھے پر استخاضہ کا خون ملتا۔ پھر پھر
 نہیں پھیلا کر مسجد ہی میں تھوکتے ہوئے نماز پڑھتا اور
 وہابی مذہب کی نماز۔ پھر ثبوت کے لیے "الحاق" اور
 درج ذیل عبارات پیش کرتا۔
 ۱۔ پکا کر پکائی جاتے اس کا کھانا اور دست ہو گا صحت
 ۲۔ بھی ہے اور پاک بھی ص ۹۱ م۔ ۳۔ پکائی جاتی
 ۴۔ جب تک وصف نہ بدلے ص ۹۲ م۔ ۵۔
 ۶۔ ص ۹۱ م۔ ۷۔ جانوروں کا پیشہ
 ۸۔ ص ۹۱ م۔ ۹۔ دوسرے جنس کے سوا
 ۱۰۔ نماز پڑھنا اور مسجد میں تھوکتا اور







فہم جنہی وفتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کا

۱۹۳۳



عالمگیری

حصہ اول

تالیف: مولانا محمد امجد علی عثمانی
مدرسہ اسلامیہ دارالافتاء، لاہور

والبیان الحافظ محمد احسان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد